Registered No. L. 4186

جلد ۱۶ — عدد ۲

صفر ۱۳۵۹ھ

۸۶

ماہ نامہ

ترجمان القرآن

علوم قرآنی و حقائق فرقانی کا ذخیرہ

مرتبہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی

مبارک پارک - پونچھ روڈ - لاہور

قیمت سالانہ ۵ر

قیمت فی پرچہ ۸ر

خــــالی صفحــــه

فہرست مضامین

ماہ صفر سنہ ۵۹ھ (مطابق اپریل سنہ ۴۰ء) جلد ۱۶ - عدد ۲

باہتمام ابوالاعلیٰ مودودی پرنٹر و پبلشر دین محمدی الیکٹرک پریس سرکلر روڈ لاہور میں

طبع ہو کر دفتر ترجمان القرآن واقع پونچھ روڈ لاہور سے

شائع ہوا

الجہاد فی الاسلام

تالیف ابوالاعلیٰ مودودی

دور جدید میں یورپ نے اپنی سیاسی اغراض کیلئے اسلام پر جو بہتان تراشے ہیں ان میں سے سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ اسلام ایک خونخوار مذہب ہے اور اپنے پیرووں کو خونریزی کی تعلیم دیتا ہے ۔ اس بہتان کی اگر کچھ حقیقت ہوتی تو قدرتی طور پر اسے اسوقت پیش ہونا چاہئے تھا جبکہ پیروان اسلام کی شمشیر خار اشگاف نے کرۂ زمین میں ایک تہلکہ مچا رکھا تھا ۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ اس بہتان کی پیدائش آفتاب عروج اسلام کے غروب ہونے کے بہت عرصہ بعد عمل میں آئی اور اسکے خیالی پتلے میں اسوقت روح پھونکی گئی جبکہ اسلام کی تلوار تو زنگ کھا چکی تھی مگر خود اس کے موجد یورپ کی تلوار بےگناہوں کے خون سے سرخ ہو رہی تھی اور اس نے دنیا کی کمزور قوموں کو اسطرح نگلنا شروع کر دیا تھا جیسے کوئی اژدھا چھوٹے چھوٹے جانوروں کو ڈستا اور نگلتا ہو ۔ اگر دنیا میں عقل ہوتی تو وہ سوال کرتی کہ جو لوگ خود امن و امان کے سب سے بڑے دشمن ہوں جنھوں نے خود خون بہا بہا کر زمین کے چہرہ کو رنگین کردیا ہو اور جو خود قوموں کے چین اور آرام پر ڈاکے ڈال رہے ہوں انہیں کیا حق ہے کہ وہ اسلام پر وہ الزام عائد کریں جسکی فرد جرم خود ان پر لگنی چاہئے ؟

لیکن انسان کی کچھ فطری کمزوری ہے کہ وہ جب میدان میں مغلوب ہوتا ہے تو مدرسہ میں بھی مغلوب ہو جاتا ہے ۔ جسکی تلوار سے شکست کھاتا ہے اس کے قلم کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا اور اسلئے ہر عہد میں دنیا پر انہی افکار و آراء کا غلبہ رہتا ہے جو تلوار بند ہاتھوں کے قلم سے پیش کئے جاتے ہیں ۔ چنانچہ اس مسئلہ میں بھی دنیا کی آنکھوں پر پردہ ڈالنے میں یورپ کو پوری کامیابی ہوئی اور غلامانہ ذہنیت رکھنے والی قوموں نے اسلامی جہاد کے متعلق اسکے پیش کردہ نظریہ کو بلا ادنیٰ تحقیق و تفحّص اور بلا ادنیٰ غور و خوض اسطرح قبول کرلیا کہ آسمانی وحی کو بھی اسطرح قبول نہ کیا گیا ہوگا ۔

پس اگر آپ اسلامی جہاد کی حقیقت اور اسکے متعلقہ مسائل سے کما حقہ واقف ہونا چاہتے ہیں تو "الجہاد فی الاسلام" کا مطالعہ فرمائیے ۔ اسلامی لٹریچر میں اس موضوع پر شروع اسلام سے اب تک اس پایہ کی کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی ۔

ضخامت ۵۰۰ صفحات قیمت بیجلد چار روپے مجلد پانچ روپے علاوہ محصولڈاک

دفتر رسالہ ترجمان القرآن ۔ لاہور

مسرت سروحق پرنٹنگ پریس نبل روڈ لاہور میں طبع ہوا

اسلامی نظام معاشرت ۳

تحفظات

یہ اسلامی نظام معاشرت کا پورا خاکہ تھا۔ اب آگے بڑھنے سے پہلے اس خاکے کی اہم خصوصیات کو پھر ایک نظر دیکھ لیجیے۔

(۱) اس نظام کا منشا یہ ہے کہ اجتماعی ماحول کو حتی الامکان شہوانی ہیجانات اور تحریکات سے پاک رکھا جائے، تاکہ انسان کی ذہنی وجسمانی قوتوں کو ایک پاکیزہ اور پرسکون فضا میں نشو و ارتقا کا موقع ملے اور وہ اپنی محفوظ اور مجتمع قوت کے ساتھ تعمیر تمدن میں اپنے حصہ کا کام انجام دے سکے۔

(۲) صنفی تعلقات تمام تر دائرۂ ازدواج میں محدود ہوں اور اس دائرے کے باہر نہ صرف انتشار عمل کو روکا جائے، بلکہ انتشارِ خیال کا بھی امکانی حد تک سدِ باب کر دیا جائے۔

(۳) عورت کا دائرۂ عمل مرد کے دائرہ سے الگ ہو، دونوں کی فطرت اور ذہنی وجسمانی استعداد کے لحاظ سے تمدن کی الگ الگ خدمات ان کے سپرد کی جائیں، اور ان کے تعلقات کی تنظیم اس طور پر کی جائے کہ وہ جائز حدود کے اندر ایک دوسرے کے مددگار ہوں، اگر حدود سے تجاوز کر کے کوئی کسی کے کام خلل انداز نہ ہو سکے۔

(۴) خاندان کے نظم میں مرد کی حیثیت قوام کی ہو اور گھر کے تمام افراد صاحبِ خانہ کے تابع رہیں۔

(۵) عورت اور مرد دونوں کو پورے انسانی حقوق حاصل ہوں، اور دونوں کو ترقی کے بہتر سے بہتر مواقع بہم پہنچائے جائیں، اگر دونوں میں سے کوئی بھی اُن حدود سے تجاوز نہ کر سکے جو معاشرت میں

اس کے لیے مقرر کردی گئی ہیں۔

اس نقشے پر جس نظام معاشرت کی تاسیس کی گئی ہے اُس کو چند ایسے تحفظات کی ضرورت ہے جن سے اس کا نظم اپنی جملہ خصوصیات کے ساتھ برقرار رہے۔ اسلام میں یہ تحفظات تین قسم کے ہیں۔

۱۔ اصلاح باطن

۲۔ تعزیری قوانین

۳۔ انسدادی تدابیر

یہ تینوں تحفظات نظام معاشرت کے مزاج اور اسکے مقاصد کی ٹھیک ٹھیک مناسبت ملحوظ رکھ کر تجویز کیے گئے ہیں، اور مل جل کر اسکی حفاظت کرتے ہیں۔

اصلاح باطن کے ذریعہ سے انسان کی تربیت اس طور پر کی جاتی ہے کہ وہ خود بخود اس نظام معاشرت کی اطاعت پر آمادہ ہو، عام اس سے کہ خارج میں کوئی طاقت اس کو اطاعت پر مجبور کرنے والی ہو یا نہ ہو۔

تعزیری قوانین کے ذریعہ سے ایسے جرائم کا سد باب کیا جاتا ہے جو اس نظام کو توڑنے اور اس کے ارکان کو منہدم کرنے والے ہیں۔

انسدادی تدابیر کے ذریعہ سے اجتماعی زندگی میں ایسے طریقے رائج کیے گئے ہیں جو سوسائٹی کے ماحول کو غیر طبعی ہیجانات اور مصنوعی تحریکات سے پاک کر دیتے ہیں اور صنفی انتشار کے امکانات کو کم سے کم حد تک گھٹا دیتے ہیں۔ اخلاقی تعلیم سے جن لوگوں کی اصلاح باطن مکمل نہ ہوئی ہو، اور جن کو تعزیری قوانین کا خوف بھی نہ ہو، انکی راہ میں یہ طریقے ایسی رکاوٹیں ڈال دیتے ہیں کہ صنفی انتشار کی جانب میلان رکھنے کے باوجود ان کے لیے عملی اقدام بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں یہی وہ طریقے ہیں جو عورت اور مرد کے دائروں کو عملاً الگ کرتے ہیں، خاندان کے نظم کو اسکی صحیح اسلامی صورت

پر قائم کرتے ہیں، اور اُن حدود کی حفاظت کرتے ہیں جو عورتوں اور مردوں کی زندگی میں امتیاز قائم رکھنے کے لیے اسلام نے مقرر کی ہیں۔

اصلاح باطن

اسلام میں اطاعتِ امر کی بنیاد کلیتہً ایمان پر رکھی گئی ہے۔ جو شخص خدا اور اسکی کتاب اور اسکے رسول پر ایمان رکھتا ہو وہی شریعت کے اوامر و نواہی کا اصلی مخاطب ہے، اور اسکو اوامر کا مطیع اور نواہی سے مجتنب بنانے کے لیے صرف یہ علم ہو جانا کافی ہے کہ فلاں امر خدا کا امر ہے اور فلاں نہی خدا کی نہی ہے۔ پس جب ایک مومن کو خدا کی کتاب سے یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ فحش اور بدکاری سے منع کرتا ہے تو اسکے ایمان کا اقتضا یہی ہے کہ وہ اس سے پرہیز کرے اور اپنے دل کو بھی اسکی طرف مائل ہونے سے پاک رکھے۔ اسی طرح جب ایک مومن عورت کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ اور اسکے رسول نے معاشرت میں اسکے لیے کیا حیثیت مقرر کی ہے تو اس کے بھی ایمان کا اقتضا یہی ہے کہ وہ برضا و رغبت اس حیثیت کو قبول کرے، اور اپنی حد سے تجاوز نہ کرے۔ اس لحاظ سے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح اخلاق اور معاشرت کے دائرے میں بھی اسلام کے صحیح اور کامل اتباع کا مدار ایمان پر ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام میں اخلاق اور معاشرت کے متعلق ہدایات دینے سے پہلے ایمان کی طرف دعوت دی گئی ہے اور دلوں میں اسکو راسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ تو اصلاح باطن کا وہ اساسی ذریعہ ہے جس کا تعلق صرف اخلاقیات ہی سے نہیں بلکہ پورے نظام اسلامی سے ہے۔ اسکے بعد خاص کر اخلاق کے دائرے میں اسلام نے تعلیم و تربیت کا ایک نہایت حکیمانہ طریقہ اختیار کیا ہے جس کو مختصراً ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

حیا | پہلے اشارۃً یہ کہا جا چکا ہے کہ زنا اور چوری اور جھوٹ اور تمام دوسرے معاصی جن کا ارتکاب فطرت حیوانی کے غلبہ سے انسان کرتا ہے اسکے سب فطرت انسانی کے خلاف ہیں۔ قرآن ایسے

تمام افعال کو مُنکَرؔ کے جامع لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ منکر کا لفظی ترجمہ "مجہول" یا "غیر معروف" ہے۔ ان افعال کو منکر کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ایسے افعال ہیں جن سے فطرت انسانی آشنا نہیں ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جب انسان کی فطرت اِن سے نا آشنا ہے، اور حیوانی طبیعت اس پر زبردستی ہجوم کر کے اسکو ان افعال کے ارتکاب پر مجبور کرتی ہے، تو خود انسان ہی کی فطرت میں کوئی ایسی چیز بھی ہونی چاہیے جو تمام منکرات سے نفرت کرنے والی ہو۔ شارع حکیم نے اس چیز کا پتہ چلا لیا ہے۔ وہ اسکو "حیار" سے تعبیر کرتا ہے۔

حیار کے معنی شرم کے ہیں۔ اسلام کی مخصوص اصطلاح میں حیار سے مراد وہ "شرم" ہے جو کسی امرِ منکر کی جانب مائل ہونے والا انسان خود اپنی فطرت کے سامنے اور اپنے خدا کے سامنے محسوس کرتا ہے۔ یہی حیار وہ قوت ہے جو انسان کو فحشار اور مُنکرؔ کا اقدام کرنے سے روکتی ہے اور اگر وہ جبلتِ حیوانی کے غلبہ سے کوئی برا فعل کر گذرتا ہے تو یہی چیز اسکے دل میں چٹکیاں لیتی ہے۔ اسلام کی اخلاقی تعلیم و تربیت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حیار کے اسی چھپے ہوئے مادّے کو فطرتِ انسانی کی گہرائیوں سے نکال کر علم و فہم اور شعور کی غذا سے اُسکی پرورش کرتی ہے، اور ایک مضبوط حاسّۂ اخلاقی بنا کر اسکو نفس انسانی میں ایک کوتوال کی حیثیت سے متعین کر دیتی ہے۔ یہ ٹھیک ٹھیک اُس حدیث نبوی کی تعبیر ہے جس میں ارشاد ہوا ہے کہ لکل دینٍ خُلق وخلق الاسلام الحیاء "ہر دین کا ایک خلق ہوتا ہے، اور اسلام کا خلق حیار ہے"۔ اور وہ حدیث بھی اسی مضمون پر روشنی ڈالتی ہے جس میں سرکار رسالتمآب نے فرمایا ہے کہ اذا لم تستحِ فاصنع ما شئت "جب تجھ میں حیا نہیں تو جو تیرا جی چاہے کر"۔ کیونکہ جب حیار نہ ہوگی تو خواہش جس کا مبدأ جبلّتِ حیوانی ہے، تجھ پر غالب آجائے گی، اور کوئی منکر تیرے لیے منکر ہی نہ رہے گا۔

انسان کی فطری حیار ایک ایسے اَن گھڑ مادّے کی حیثیت رکھتی ہے جس نے ابھی کوئی صورت اختیار نہ کی ہو۔ وہ تمام منکرات سے بالطبع نفرت تو کرتی ہے، مگر اس میں سمجھ بوجھ نہیں ہے،

اس وجہ سے وہ نہیں جانتی کہ کسی خاص فعل منکر سے اس کو کس لیے نفرت ہے۔ یہی ناواقفیت رفتہ رفتہ اسکے احساسِ نفرت کو کمزور کر دیتی ہے حتّٰی کہ حیوانیت کے غلبہ سے انسان منکرات کا ارتکاب کرنے لگتا ہے اور اس ارتکاب کی پیہم تکرار آخر کار حیاء کے احساس کو بالکل باطل کر دیتی ہے۔ اسلام کی اخلاقی تعلیم کا مقصد اسی ناوانی کو دور کرنا ہے۔ وہ اسکو نہ صرف کھلے ہوئے منکرات سے روشناس کراتی ہے، بلکہ نفس کے چور خانوں تک میں نیتّوں اور ارادوں اور خواہشوں کی جو برائیاں چھپی ہوئی ہیں انکو بھی اسکے سامنے نمایاں کر دیتی ہے، اور ایک ایک چیز کے مفسدوں سے اسکو خبردار کرتی ہے تاکہ وہ علیٰ وجہ البصیرت اس سے نفرت کرے۔ پھر اخلاقی تربیت اس تعلیم یافتہ شرم وحیاء کو اس قدر حساس بنا دیتی ہے کہ منکر کی جانب ادنیٰ سے ادنیٰ میلان بھی اُس سے مخفی نہیں رہتا، اور نیت و خیال کی ذراسی لغزش کو بھی وہ تنبیہ کیے بغیر نہیں چھوڑتی۔

اسلامی اخلاقیات میں حیاء کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ اس سے چھوٹا ہوا نہیں ہے چنانچہ تمدن و معاشرت کا جو شعبہ انسان کی صنفی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اُس میں بھی اسلام نے اصلاح اخلاق کے لیے اسی چیز سے کام لیا ہے۔ وہ صنفی معاملات میں نفس انسانی کی نازک سے نازک چوریوں کو پکڑ کر حیاء کو اُن سے خبردار کرتا ہے اور اُنکی نگرانی پر مامور کر دیتا ہے۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں اس لیے ہم صرف چند مثالوں پر اکتفا کرینگے۔

دل کے چور قانون کی نظر میں زنا کا اطلاق صرف جسمانی اتصال پر ہوتا ہے۔ مگر اخلاق کی نظر میں دائرہٴ ازدواج کے باہر صنفِ مقابل کی جانب ہر میلان، ارادے اور نیت کے اعتبار سے زنا ہے۔ اجنبی کے حسن سے آنکھ کا لطف لینا، اسکی آواز سے کانوں کا لذت یاب ہونا، اس سے گفتگو کرنے میں زبان کا لوچ کھانا، اسکے کوچے کی خاک چھاننے کے لیے قدموں کا بار بار اٹھنا، یہ سب زنا کے مقدمات اور خود معنوی حیثیت سے زنا ہیں۔ قانون اس زنا کو نہیں پکڑ سکتا۔ یہ دل کا چور ہے اور صرف دل ہی کا

کوتوال اسکو گرفتار کر سکتا ہے۔ حدیث نبوی اسکی مخبری اس طرح کرتی ہے:۔

العینان تزنیان وزناھما النظر — آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کی زنا نظر ہے۔
والیدان تزنیان وزناھما البطش — اور ہاتھ زنا کرتے ہیں اور انکی زنا دست درازی ہے
والرجلان تزنیان وزناھما المشی — اور پاؤں زنا کرتے ہیں اور ان کی زنا اس راہ
وزنا اللسان المنطق والنفسُ تتمنّی و — میں چلنا ہے۔ اور زبان کی زنا گفتگو ہے۔ نفس
تشتھی والفرج یصدق ذالک کلہ و — تمنا اور خواہش کرتا ہے، آخر میں مخفی اعضاء یا تو ان
یکذبہٗ۔ — سب کی تصدیق کر دیتے ہیں یا تکذیب۔

فتنۂ نظر نفس کا سب سے بڑا چور دروازہ ہے، اس لیے قرآن اور حدیث دونوں سب سے پہلے اسی کی گرفت کرتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ ذَالِکَ اَزْکٰی لَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ (النور - ۴)

اے نبی مومن مردوں سے کہدو کہ اپنی نگاہوں کو (غیر عورتوں کی دید سے) باز رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے اور اے نبی مومن عورتوں سے بھی کہدو کہ اپنی نگاہوں کو (غیر مردوں کی دید سے) باز رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

حدیث میں ہے:۔

ابن اٰدم لک اول نظرۃ وایاک والثانیہ (الجصاص) — آدمی زادے! تیرے لیے پہلی نظر کی اجازت ہے مگر خبردار دوسری نظر نہ ڈالنا۔

حضرت علی سے فرمایا:۔

یاعلی لا تتبع النظرۃ النظرۃ — اے علی ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو

فان لک الاولی ولیس لک الاخرۃ — پہلی نظر تو معاف ہے، مگر دوسری نظر نہیں۔

(ابوداؤد- باب ما یومر بہ من غض البصر)

حضرت جابرؓ نے پوچھا کہ اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کروں۔ فرمایا فوراً نظر پھیر لو۔ (ابوداؤد باب مذکور)

جذبۂ نمائشِ حسن اسی فتنۂ نظر کا ایک شاخسانہ وہ بھی ہے جو عورت کے دل میں یہ خواہش پیدا کرتا ہے کہ اس کا حُسن دیکھا جائے۔ یہ خواہش ہمیشہ جلی اور نمایاں ہی نہیں ہوتی۔ دل کے پردوں میں کہیں نہ کہیں نمائشِ حسن کا جذبہ چھپا ہوا ہوتا ہے اور وہی لباس کی زینت میں، بالوں کی آرائش میں، باریک اور شوخ کپڑوں کے انتخاب میں اور ایسے ایسے خفیف جزئیات تک میں اپنا اثر ظاہر کرتا ہے جن کا احاطہ ممکن نہیں۔ قرآن نے ان سب کے لیے ایک جامع اصطلاح "تَبَرُّجِ جاہلیہ" استعمال کی ہے۔ ہر وہ زینت اور ہر وہ آرائش جس کا مقصد شوہر کے سوا دوسروں کے لیے لذتِ نظر بنتا ہو، تبرّجِ جاہلیت کی تعریف میں آجاتی ہے۔ اگر برقع بھی اس غرض کے لیے خوبصورت اور خوش رنگ انتخاب کیا جائے کہ نگاہیں اس سے لذت یاب ہوں تو یہ بھی تبرّجِ جاہلیت ہے۔ اس کے لیے کوئی قانون نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کا تعلق عورت کے اپنے ضمیر سے ہے۔ اُس کو خود ہی اپنے دل کا حساب لینا چاہیے کہ اس میں کہیں یہ ناپاک جذبہ تو چھپا ہوا نہیں ہے۔ اگر ہے تو وہ اس حکم خداوندی کی مخاطب ہے کہ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ[1] (الاحزاب : ۴)۔ جو آرائش ہر بری نیت سے پاک ہو وہ اسلام کی آرائش ہے۔ اور جس میں ذرہ برابر بھی بری نیت شامل ہو وہ جاہلیت کی آرائش ہے۔

فتنۂ زبان شیطان نفس کا ایک دوسرا خطرناک ایجنٹ زبان ہے۔ کتنے ہی فتنے ہیں جو زبان کے

---

[1] "اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں جس بناؤ سنگھار کی نمائش تم کرتی پھرتی تھیں وہ اب نہ کرو۔"

ذریعہ سے پیدا ہوتے اور پھیلتے ہیں - مرد اور عورت بات کر رہے ہیں - کوئی برا جذبہ نمایاں نہیں ہے - مگر دل کا چھپا ہوا چور آواز میں حلاوت، لہجے میں لگاوٹ، باتوں میں گھلاوٹ پیدا کیے جا رہا ہے - قرآن اس چور کو پکڑ لیتا ہے -

اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا - (الاحزاب : ۴)-

اگر تمہارے دل میں خدا کا خوف ہے تو دبی زبان سے بات نہ کرو کہ جس شخص کے دل میں (بدنیتی کی) بیماری ہوگی وہ تم سے کچھ امیدیں وابستہ کر لیگا - بات کرو تو سیدھے سادھے طریقہ سے کرو، (جس طرح انسان انسان سے بات کیا کرتا ہے)-

یہی دل کا چور ہے جو دوسروں کے جائز یا ناجائز صنفی تعلقات کا حال بیان کرنے میں بھی مزے لیتا ہے اور سننے میں بھی - اسی لطف کی خاطر عشق و محبت کے افسانے جھوٹ سچ ملا کر جگہ جگہ بیان کیے جاتے ہیں اور سوسائیٹی میں انکی اشاعت اس طرح ہوتی ہے جیسے پُولے پُولے آنچ لگتی چلی جائے قرآن اس پر بھی تنبیہ کرتا ہے :-

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (النور : ۲)

جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے گروہ میں بیحیائی کی اشاعت ہو ان کے لیے دنیا میں بھی دردناک عذاب ہے اور آخرت میں بھی -

فتنۂ زبان کے اور بھی بہت سے شعبے ہیں - اور ہر شعبہ میں دل کا ایک نہ ایک چور اپنا کام کرتا ہے - اسلام نے ان سب کا سراغ لگایا ہے اور ان سے خبردار کیا ہے -

عورت کو اجازت نہیں کہ اپنے شوہر سے دوسری عورتوں کی کیفیت بیان کرے -

لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ حَتّٰى تَصِفَهَا لِزَوْجِهَا كَاَنَّهٗ يَنْظُرُ اِلَيْهَا - (ترمذی - باب ما جاء فی کراھیۃ مباشرۃ المرأۃ بالمرأۃ)

عورت عورت سے خلا ملا نہ کرے - ایسا نہ ہو کہ وہ اسکی کیفیت اپنے شوہر سے اس طرح بیان کرے کہ گویا وہ خود اسکو دیکھ رہا ہے -

عورت اور مردوں کو اس سے منع کیا گیا ہے کہ اپنے پوشیدہ ازدواجی معاملات کا حال دوسرے لوگوں کے سامنے بیان کریں، کیونکہ اس سے بھی فحش کی اشاعت ہوتی ہے۔ اور دلوں میں شوق پیدا ہوتا ہے۔ (ابوداؤد- باب مایکرہ من ذکر الرجل مایکون من اصابتہ اھلہ)۔

نماز باجماعت میں اگر امام غلطی کرے، یا اس کو کسی حادثہ پر متنبہ کرنا ہو تو مردوں کو سبحان اللہ کہنے کا حکم ہے۔ مگر عورتوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ صرف دستک دیں زبان سے کچھ نہ بولیں۔ (ابوداؤد باب التصفیق فی الصلوٰۃ۔ وبخاری باب التصفیق للنساء)۔

فتنۂ آواز بسا اوقات زبان خاموش رہتی ہے، مگر دوسری حرکات سے سامعہ کو متاثر کیا جاتا ہے۔ اس کا تعلق بھی نیت کی خرابی سے ہے، اور اسلام اسکی بھی ممانعت کرتا ہے۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ (۲۴ : ۴)۔ اور وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے (یعنی جو زیور وہ اندر پہنے ہوئے ہیں) اسکا حال معلوم ہو۔ (یعنی جھنکار سنائی دے)

فتنۂ خوشبو خوشبو بھی ان قاصدوں میں سے ایک ہے جو ایک نفس شریر کا پیغام دوسرے نفس شریر تک پہنچاتے ہیں۔ یہ خبر رسانی کا سب سے زیادہ لطیف ذریعہ ہے جس کو دوسرے تو خفیف ہی سمجھتے ہیں مگر اسلامی حیا اتنی حساس ہے کہ اسکی طبع نازک پر یہ لطیف تحریک بھی گراں ہے۔ وہ ایک مسلمان عورت کو اسکی اجازت نہیں دیتی کہ خوشبو میں بسے ہوئے کپڑے پہن کر راستوں سے گذرے یا محفلوں میں شریک ہو، کیونکہ اُس کا حُسن اور اُسکی زینت پوشیدہ بھی رہی تو کیا فائدہ ہوا، اسکی عطریت تو فضا میں پھیل کر جذبات کو متحرک کر رہی ہے۔

قال النبی صلعم المرأۃ اذا استعطرت فمرت بالمجلس فھی کذا یعنی زانیۃ۔ (ترمذی باب ماجاء فی کراھیۃ خروج المتعطرۃ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت عطر لگا کر لوگوں کے درمیان سے گذرتی ہے وہ آوارہ قسم کی عورت ہے

اذا شہدت احداکن	جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں جائے
المسجد فلا تمسن طیباً۔ (موطأ و مسلم)	تو خوشبو نہ لگائے۔
طیب الرجال ما ظہر ریحہ	مردوں کے لیے وہ عطر مناسب ہے
وخفی لونہ وطیب النساء ما ظہر	جس کی خوشبو نمایاں اور رنگ مخفی ہو۔ اور عورتوں
لونہ وخفی ریحہ (ترمذی۔ باب ماجاء	کے لیے وہ عطر مناسب ہے جس کا رنگ
فی طیب الرجال والنساء۔ و ابوداؤد۔ باب ما	نمایاں اور خوشبو مخفی ہو۔

یکرہ من ذکر الرجال ما یکون من اصابتہ اہلہ)۔

فتنۂ عریانی ستر کے باب میں اسلام نے انسانی شرم وحیاء کی جسقدر صحیح اور مکمل نفسیاتی تعبیر کی ہے اس کا جواب دنیا کی کسی تہذیب میں نہیں پایا جاتا۔ آج دنیا کی مہذب ترین قوموں کا بھی یہ حال ہے کہ ان کے مردوں اور انکی عورتوں کو اپنے جسم کا کوئی حصہ کھول دینے میں باک نہیں۔ ان کے ہاں لباس محض زینت کے لیے ہے، ستر کے لیے نہیں ہے۔ مگر اسلام کی نگاہ میں زینت سے زیادہ ستر کی اہمیت ہے۔ وہ عورت اور مرد دونوں کو جسم کے وہ تمام حصے چھپانے کا حکم دیتا ہے جن میں ایک دوسرے کے لیے صنفی کشش پائی جاتی ہے۔ عریانی ایک ایسی ناشایستگی ہے جس کو اسلامی حیا کسی حال میں بھی برداشت نہیں کرسکتی۔ غیر تو غیر اسلام اسکو بھی پسند نہیں کرتا کہ میاں اور بیوی ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہوں۔

اذا اتی احدکم اہلہ فلیستتر و	جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس
لا یتجرد تجرد العیرین (ابن ماجہ۔ باب	جائے تو اس کو چاہیے کہ ستر کا لحاظ رکھے، بالکل گدھوں
التستر عند الجماع)	کی طرح دونوں ننگے نہ ہو جائیں۔
قالت عایشہ ما نظرت الی	حضرت عایشہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ

فرج رسول اللہ صلعم قط۔ (شمائل ترمذی باب ماجاء فی حیاء رسول اللہ صلعم)

صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی برہنہ نہیں دیکھا۔

اس سے بڑھ کر شرم و حیا یہ ہے کہ تنہائی میں بھی عریاں رہنا اسلام کو گوارا نہیں اس لیے کہ اللہ احق ان یستحیی منہ "اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کی جائے" (ترمذی باب حفظ العورۃ)۔

حدیث میں آتا ہے کہ:۔

ایاکم والتعری فان معکم من لا یفارقکم الا عند الغائط وحین یفضی الرجل الی اھلہ۔ فاستحیوھم واکرموھم۔ (ترمذی۔ باب ماجاء فی الاستتار عند الجماع)

خبردار کبھی برہنہ نہ رہو کیونکہ تمہارے ساتھ خدا کے فرشتے لگے ہوئے ہیں جو تم سے جدا نہیں ہوتے بجز ان اوقات کے جن میں تم رفع حاجت کرتے ہو یا اپنی بیویوں کے پاس جاتے ہو۔ لہذا تم ان سے شرم کرو اور ان کی عزت کا لحاظ رکھو۔

اسلام کی نگاہ میں وہ لباس درحقیقت لباس ہی نہیں جس میں سے بدن جھلکے اور ستر نمایاں ہو۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نساء کاسیات عاریات ممیلات مائلات رؤسھن کالبخت المائلۃ لا یدخلن الجنۃ ولا یجدن ریحھا (مسلم۔ باب النساء الکاسیات العاریات)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورتیں کپڑے پہن کر بھی ننگی ہی رہیں اور دوسروں کو رجھائیں اور خود دوسروں پر ریجھیں اور بختی اونٹ کی طرح ناز سے گردن ٹیڑھی کر کے چلیں وہ جنت میں ہرگز داخل نہ ہوں گی بلکہ اس کی خوشبو بھی نہ پائیں گی۔

یہاں استیعاب مقصود نہیں۔ ہم نے صرف چند مثالیں اس غرض سے پیش کی ہیں کہ ان سے اسلام کے معیار اخلاق اور اس کی اخلاقی اسپرٹ کا اندازہ ہو جائے۔ اسلام سوسائٹی کے ماحول اور اس کی فضا کو فحشا و منکر کی تمام تحریکات سے پاک کر دینا چاہتا ہے۔ ان تحریکات کا سرچشمہ انسان کے باطن میں ہے

عبرتناک سزا کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جائیں، کیونکہ قانون کا مقصد سوسائیٹی کو جرائم سے پاک کرنا ہے نہ یہ کہ لوگ بار بار جرم کریں اور بار بار سزا بھگتیں۔

نظام معاشرت کی حفاظت کے لیے اسلامی تعزیرات نے جن افعال کو جرم مستلزم سزا قرار دیا ہے وہ صرف دو ہیں۔ ایک زنا۔ دوسرے قذف (یعنی کسی پر زنا کی تہمت لگانا)۔

حدِ زنا — زنا کے متعلق ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اخلاقی حیثیت سے یہ فعل انسان کی انتہائی پستی کا نتیجہ ہے۔ جو شخص اس کا ارتکاب کرتا ہے وہ دراصل اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اسکی انسانیت حیوانیت سے مغلوب ہو چکی ہے اور وہ انسانی سوسائیٹی کا ایک صالح رکن بن کر نہیں رہ سکتا۔ اجتماعی نقطۂ نظر سے یہ ان عظیم ترین جرائم میں سے ایک ہے جو انسانی تمدن کی عین بنیاد پر حملہ کرتے ہیں۔ ان وجوہ سے اسلام نے اسکو بجائے خود ایک قابل تعزیر جرم قرار دیا ہے، خواہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا جرم مثلاً جبر واکراہ یا کسی شخص غیر کی حق تلفی شریک ہو یا نہ ہو۔ قرآن مجید کا حکم یہ ہے کہ:۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ	زنا کار عورت اور زنا کار مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو
وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ	سو کوڑے مارو اور قانون الٰہی کے معاملہ میں تم کو ان پر ہرگز رحم
بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ	نہ کھانا چاہیے اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو۔
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا	اور جب ان کو سزا دی جائے تو مسلمانوں میں سے ایک جماعت
طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (النور : ۱)	ان کو دیکھنے کے لیے حاضر رہے۔

اس باب میں اسلامی قانون اور مغربی قانون میں بہت بڑا اختلاف ہے۔ مغربی قانون زنا کو بجائے خود کوئی جرم نہیں سمجھتا۔ اس کی نگاہ میں یہ فعل صرف اُس وقت جرم ہوتا ہے جب کہ اس کا ارتکاب جبر واکراہ کے ساتھ کیا جائے یا کسی ایسی عورت کے ساتھ کیا جائے جو دوسرے شخص کے نکاح میں ہو۔ بالفاظ دیگر اس قانون کے نزدیک زنا خود جرم نہیں ہے بلکہ جرم دراصل جبر یا حق تلفی ہے۔ بخلاف اس کے

عبرتناک سزا کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جائیں، کیونکہ قانون کا مقصد سوسائیٹی کو جرائم سے پاک کرنا ہے نہ یہ کہ لوگ بار بار جرم کریں اور بار بار سزا بھگتیں۔

نظام معاشرت کی حفاظت کے لیے اسلامی تعزیرات نے جن افعال کو جرم مستلزم سزا قرار دیا ہے وہ صرف دو ہیں۔ ایک زنا۔ دوسرے قذف (یعنی کسی پر زنا کی تہمت لگانا)۔

حدِ زنا زنا کے متعلق ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اخلاقی حیثیت سے یہ فعل انسان کی انتہائی پستی کا نتیجہ ہے۔ جو شخص اس کا ارتکاب کرتا ہے وہ دراصل اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ اسکی انسانیت حیوانیت سے مغلوب ہو چکی ہے اور وہ انسانی سوسائیٹی کا ایک صالح رکن بن کر نہیں رہ سکتا۔ اجتماعی نقطۂ نظر سے یہ ان عظیم ترین جرائم میں سے ایک ہے جو انسانی تمدن کی عین بنیاد پر حملہ کرتے ہیں۔ ان وجوہ سے اسلام نے اسکو بجائے خود ایک قابل تعزیر جرم قرار دیا ہے، خواہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا جرم مثلاً جبر و اکراہ یا کسی شخص غیر کی حق تلفی شریک ہو یا نہ ہو۔ قرآن مجید کا حکم یہ ہے کہ:-

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (النور: ۱)	زنا کار عورت اور زنا کار مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور قانون الٰہی کے معاملہ میں تم کو ان پر ہرگز رحم نہ کھانا چاہیے اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ اور جب ان کو سزا دی جائے تو مسلمانوں میں سے ایک جماعت ان کو دیکھنے کے لیے حاضر رہے۔

اس باب میں اسلامی قانون اور مغربی قانون میں بہت بڑا اختلاف ہے۔ مغربی قانون زنا کو بجائے خود کوئی جرم نہیں سمجھتا۔ اس کی نگاہ میں یہ فعل صرف اُس وقت جرم ہوتا ہے جب کہ اس کا ارتکاب جبر و اکراہ کے ساتھ کیا جائے یا کسی ایسی عورت کے ساتھ کیا جائے جو دوسرے شخص کے نکاح میں ہو۔ بالفاظ دیگر اس قانون کے نزدیک زنا خود جرم نہیں ہے بلکہ جرم دراصل جبر یا حق تلفی ہے۔ بخلاف اس کے

اسلامی قانون کی نظر میں یہ فعل خود ایک جرم ہے، اور جبر و اکراہ یا حق غیر میں مداخلت سے اس پر ایک اور جرم کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس بنیادی اختلاف کی وجہ سے سزا کے باب میں بھی دونوں کے طریقے مختلف ہو جاتے ہیں۔ مغربی قانون زنا بالجبر میں صرف سزائے قید پر اکتفا کرتا ہے، اور منکوحہ عورت کے ساتھ زنا کرنے پر صرف عورت کے شوہر کو تاوان کا مستحق قرار دیتا ہے۔ یہ سزا جرم کو روکنے والی نہیں بلکہ لوگوں کو اور جرأت دلانے والی ہے۔ اسی لیے اُن ممالک میں جہاں یہ قانون رائج ہے، زنا کا ارتکاب بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اسکے مقابلہ میں اسلامی قانون زنا پر ایسی سخت سزا دیتا ہے جو سوسائٹی کو اس جرم اور ایسے مجرموں سے ایک طویل مدت کے لیے پاک کر دیتی ہے۔ جن ممالک میں زنا پر یہ سزا دی گئی ہے وہاں اس فعل کا ارتکاب کبھی عام نہیں ہوا۔ ایک مرتبہ حد شرعی کے جاری ہو جانے سے پورے ملک کی آبادی پر ایسی ہیبت چھا جاتی ہے کہ برسوں تک کوئی شخص اس کے ارتکاب کی جرأت نہیں کر سکتا۔ یہ مجرمانہ میلانات رکھنے والوں کے ذہن پر ایک طرح کا نفسیاتی آپریشن ہے جس سے اُن کے نفس کی خود بخود اصلاح ہو جاتی ہے۔

مغربی ضمیر سو کوڑوں کی سزا پر نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ انسان کو جسمانی تکلیف پہنچانا پسند نہیں کرتا، بلکہ اسکی اصلی وجہ یہ ہے کہ اسکے اخلاقی شعور کا نشو و نما ابھی تک ناقص ہے۔ وہ زنا کو پہلے صرف ایک عیب سمجھتا تھا، اور اب اسے محض ایک کھیل، ایک دلچسپ کھیل سمجھتا ہے جس سے دو انسان تھوڑی دیر کے لیے اپنا دل بہلا لیتے ہیں۔ اسیلیے وہ چاہتا ہے کہ قانون اس فعل سے رواداری برتے، اور اس وقت تک کوئی باز پرس نہ کرے جب تک کہ زانی دوسرے شخص کی آزادی یا اس کے قانونی حقوق میں خلل انداز نہ ہو۔ پھر اس خلل اندازی کی صورت میں بھی وہ اسکو ایک ایسا جرم سمجھتا ہے جس سے بس ایک ہی شخص کے حقوق متاثر ہوتے ہیں، اس لیے معمولی سزا یا تاوان اس کے نزدیک ایسے جرم کی کافی سزا ہے۔

ظاہر ہے کہ جو شخص زنا کا یہ تصور رکھتا ہو وہ اس فعل پر سو کوڑوں کی سزا کو ایک ظالمانہ سزا ہی سمجھے گا

مگر جب اس کا اخلاقی و اجتماعی شعور ترقی کرے گا اور اس کو معلوم ہوگا کہ زنا خواہ بالرضا ہو یا بالجبر، اور خواہ بیاہی ہوئی عورت کے ساتھ ہو یا بن بیاہی کے ساتھ، بہرحال وہ ایک اجتماعی جرم ہے، اور پوری سائٹی پر اس کے نقصانات عائد ہوتے ہیں، تو سزا کے متعلق بھی اس کا نظریہ خود بخود بدل جائیگا۔ اسے تسلیم کرنا پڑیگا کہ سوسائٹی کو ان نقصانات سے بچانا ضروری ہے۔ اور چونکہ زنا کی تحریک کرنے والے اسباب انسان کی حیوانی جبلت میں نہایت گہری جڑیں رکھتے ہیں، اور ان جڑوں کو محض قید و بند اور مالی تاوان کے زور سے نہیں اکھاڑا جاسکتا، لہذا اس کا سد باب کرنے کے لیے شدید تدابیر استعمال کیے بغیر چارہ نہیں۔ ایک شخص یا دو شخصوں کو شدید جسمانی آزار پہونچا کر لاکھوں اشخاص کو بے شمار اخلاقی اور عمرانی مضرتوں سے بچا دینا اس سے بہتر ہے کہ مجرموں کو تکلیف سے بچا کر ان کی پوری قوم کو ایسے نقصانات میں مبتلا کیا جائے جو آئیوالی بے گناہ نسلوں تک بھی متوارث ہونے والے ہوں۔

سو کوڑوں کی سزا کو ظالمانہ سزا قرار دینے کی ایک وجہ اور بھی ہے جو مغربی تہذیب کی بنیادوں پر غور کرنے سے بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں اس تہذیب کی ابتدا ہی جماعت کے مقابلہ میں فرد کی حمایت کے جذبہ سے ہوئی ہے اور اس کا سارا خمیر انفرادی حقوق کے ایک مبالغہ آمیز تصور سے تیار ہوا ہے، اسلیے فرد خواہ جماعت پر کتنا ہی ظلم کرے، اہل مغرب کو کچھ زیادہ ناگوار نہیں ہوتا بلکہ اکثر حالات میں وہ اسے بخوشی گوارا کرتے ہیں، البتہ جماعتی حقوق کی حفاظت کے لیے جب فرد پر ہاتھ ڈالا جاتا ہے تو انکے رونگٹے کھڑے ہونے لگتے ہیں اور انکی ساری ہمدردیاں جماعت کے بجائے فرد کے ساتھ ہوتی ہیں۔ علاوہ بریں تمام اہل جاہلیت کی طرح جاہلیت مغرب کے پیروؤں کی بھی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ معقولات کے بجائے محسوسات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ جو نقصان ایک فرد پر مترتب ہوتا ہے وہ چونکہ محدود شکل میں محسوس طور پر ان کے سامنے آتا ہے اسلیے وہ اسے ایک امر عظیم سمجھتے ہیں۔ بخلاف اسکے وہ اُس نقصان کی اہمیت کا ادراک نہیں کرسکتے جو وسیع پیمانے پر تمام سوسائٹی اور اسکی آئندہ نسلوں

کو پہنچتا ہے کیونکہ وہ اپنی وسعت اور اپنی دور رسی کی بنا پر محسوس نہیں ہوتا۔

حد قذف | زنا کے جو نقصانات ہیں، انہی سے ملتے جلتے نقصانات تہمت زنا (قذف) کے بھی ہیں۔ کسی شریف عورت پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانا تنہا اسی ایک کے لیے بدنامی کا موجب نہیں بلکہ اس سے خاندانوں میں دشمنی پھیلتی ہے، انساب مشتبہ ہو جاتے ہیں، ازدواجی تعلقات میں خرابی واقع ہوتی ہے، اور ایک شخص محض ایک مرتبہ زبان ہلا کر بیسیوں انسانوں کو برسوں کے لیے مبتلائے عذاب کر دیتا ہے۔ قرآن نے اس جرم کے لیے بھی سخت سزا تجویز کی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (النور: ۱)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر الزام لگائیں پھر چار گواہ اس کے ثبوت میں نہ پیش کریں ان کو اسی کوڑے لگاؤ اور آئندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ ایسے لوگ خود ہی بدکار ہیں۔

انسدادی تدابیر

اس طرح اسلام کا قانونِ فوجداری اپنی سیاسی طاقت سے ایک طرف تو بدکاری کو زبردستی روک دیتا ہے، اور دوسری طرف سوسائٹی کے شریف ارکان کو بدنیت لوگوں کی بدزبانی سے بھی محفوظ کر دیتا ہے۔ اسلام کی اخلاقی تعلیم انسان کو اندر سے درست کرتی ہے تاکہ اس میں بدی اور گناہ کی طرف رجحان ہی پیدا نہ ہو، اور اس کا تعزیری قانون اس کو باہر سے درست کرتا ہے، تاکہ اخلاقی تربیت کے ناقص رہ جانے سے اگر اس قسم کے رجحانات پیدا ہو جائیں، اور وہ قوت سے فعل میں آنے لگیں تو ان کو بجبر روک دیا جائے۔ ان دونوں تدبیروں کے درمیان چند مزید تدبیریں اس غرض کے لیے اختیار کی گئی ہیں کہ اصلاح باطن کی اخلاقی تعلیم کے لیے مددگار رہوں۔ ان تدبیروں سے نظام معاشرت کو اس طرح درست کیا گیا ہے کہ اخلاقی تربیت کے نقائص سے جو کمزوریاں افرادِ جماعت میں باقی رہ جائیں ان کو

تمنی کرنے اور قوت سے فعل میں آنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ سوسائٹی میں ایک ایسا ماحول پیدا ہو جائے جس میں بُرے میلانات کو نشوونما دینے والی آب و ہوا مفقود ہو، ہیجان انگیز تحریکات ناپید ہوں، صنفی انتشار کے اسباب انتہائی حد تک کم ہو جائیں، اور ایسی تمام صورتوں کا سد باب ہو جائے جن سے نظام تمدن میں برہمی پیدا ہونے کا امکان ہو۔

اب ہم تفصیل کے ساتھ ان تدبیروں میں سے ایک ایک کو بیان کرتے ہیں۔

لباس اور ستر کے احکام اصلاح معاشرت کے سلسلہ میں اسلام کا پہلا کام یہ ہے کہ اس نے برہنگی کا استیصال کیا اور مردوں اور عورتوں کے لیے ستر کے حدود مقرر کر دیے۔ اس معاملہ میں عرب جاہلیت کا جو حال تھا، آج کل کی مہذب ترین قوموں کا حال اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ وہ ایک دوسرے کے سامنے بے تکلف ننگے ہو جاتے تھے[1]۔ غسل اور قضاء حاجت میں پردہ کرنا ان کے نزدیک غیر ضروری تھا۔ کعبہ کا طواف بالکل برہنہ ہو کر کیا جاتا تھا اور اسے ایک اچھی عبادت سمجھا جاتا تھا[2]۔ عورتیں تک طواف کے وقت برہنہ ہو جاتی تھیں[3]۔ ان کی عورتوں کا لباس ایسا تھا جس میں سینہ کا کچھ حصہ کھلا رہتا تھا اور بازو کمر اور پنڈلیوں کے بھی بعض حصے کھل جاتے تھے[4]۔ بالکل یہی کیفیت آج یورپ، امریکہ اور جاپان کی بھی ہے، اور مشرقی

[1] حدیث میں آیا ہے کہ حضرت مسور بن مخرمہ ایک پتھر اٹھائے ہوئے آرہے تھے۔ راستہ میں تہ بند کھل کر گر پڑا اور وہ اسی حال میں پتھر اٹھائے چلے آئے۔ آنحضرت نے دیکھا تو فرمایا کہ جاؤ پہلے اپنا جسم ڈھانکو اور ننگے نہ پھرا کرو (مسلم باب الاعتناء بحفظ العورہ)

[2] ابن عباس، مجاہد، طاؤس اور زہری کی متفقہ روایت ہے کہ کعبہ کا طواف برہنگی کی حالت میں کیا جاتا تھا۔

[3] مسلم کتاب التفسیر میں عرب کی یہ رسم بیان کی گئی ہے کہ ایک عورت برہنہ ہو کر طواف کرتی، پھر حاضرین سے کہتی کہ "کون مجھکو ایک کپڑا دیتا ہے کہ میں اس سے اپنا بدن ڈھانکوں"۔ اس طرح مانگنے والی کو کپڑا دینا ایک ثواب کا کام سمجھا جاتا تھا۔

[4] تفسیر کبیر۔ آیہ ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن۔

ممالک میں بھی کوئی نظام معاشرت ایسا نہیں ہے جس میں کشف وستر کے حدود باقاعدہ مقرر کیے گئے ہوں۔

اسلام نے اس باب میں انسان کو تہذیب کا پہلا سبق دیا۔ اس نے بتایا کہ :-

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا۔ (الاعراف : ۳)	اے اولادِ آدم اللہ نے تم پر لباس اسی لیے اتارا ہے کہ تمہارے جسموں کو ڈھانکے اور تمہارے لیے موجب زینت ہو۔

اس آیت کی رو سے جسم ڈھانکنے کو ہر مرد و عورت کے لیے فرض کر دیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت احکام دیے کہ کوئی شخص کسی کے سامنے برہنہ نہ ہو :-

ملعون من نظر الی سوأۃ اخیہ (احکام القرآن للجصاص)	ملعون ہے وہ جو اپنے بھائی کے ستر پر نظر ڈالے۔
لا ینظر الرجل الی عورۃ الرجل ولا المرأۃ الی عورۃ المرأۃ (باب تحریم النظر الی العورات)	کوئی مرد کسی مرد کو اور کوئی عورت کسی عورت کو برہنہ نہ دیکھے۔
لان اخر من السماء فانقطع نصفین احب الی من ان انظر الی عورۃ احد او ینظر الی عورتی (المبسوط کتاب الاستحسان)	خدا کی قسم ! میں آسمان سے پھینکا جاؤں اور میرے دو ٹکڑے ہو جائیں یہ میرے لیے زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اسکے کہ میں کسی کے پوشیدہ مقام کو دیکھوں یا کوئی میرے پوشیدہ مقام کو دیکھے۔
ایاکم والتعری فان معکم من لا یفارقکم الا عند الغائط وحین یفضی الرجل الی اھلہ (ترمذی باب ما جاء فی الاستتار)	خبردار کبھی برہنہ نہ رہو کیونکہ تمہارے ساتھ وہ ہے جو تم سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔ سوائے قضاء حاجت اور مباشرت کے وقت کے۔
اذا اتی احدکم اھلہ فلیستتر ولا یتجرد تجرد العیرین (ابن ماجہ باب التستر عند الجماع)	جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے تو اس وقت بھی ستر ڈھانکے اور بالکل گدھوں کی طرح ننگا نہ ہو جائے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ کے اونٹوں کی چراگاہ میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ

ان کا چرواہا جنگل میں ننگا لیٹا ہے۔ آپ نے اسی وقت اسے معزول کر دیا اور فرمایا لا یعمل لنا من لا حیاء لہ "جو شخص بے شرم ہے وہ ہمارے کسی کام کا نہیں"

مردوں کے لیے ستر کے حدود | ان احکام کے ساتھ عورتوں اور مردوں کے لیے جسم ڈھانکنے کے حدود بھی الگ الگ مقرر کیے گئے۔ اصطلاح شرعی میں جسم کے اس حصے کو ستر کہتے ہیں جس کا ڈھانکنا فرض ہے۔ مردوں کے لیے ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ "ستر" قرار دیا گیا، اور حکم دیا گیا کہ اس کو نہ کسی کے سامنے کھولیں نہ کسی دوسرے شخص کے اس حصہ پر نظر ڈالیں۔

عن ابی ایوب الانصاری عن النبی صلعم ما فوق الرکبتین من العورۃ واسفل من السرۃ من العورۃ (دارقطنی)	جو کچھ گھٹنے کے اوپر ہے وہ چھپانے کے لائق ہے اور جو کچھ ناف سے نیچے ہے وہ چھپانے کے لائق ہے۔
عورۃ الرجل ما بین سرتہ الی رکبتہ (مبسوط)	مرد کے لیے ناف سے گھٹنے تک کا حصہ چھپانے کے لائق ہے۔
عن علی ابن ابی طالب عن النبی صلعم: لا تبرز فخذک ولا تنظر الی فخذ حی ولا میت (تفسیر کبیر آیۂ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارہم)	اپنی ران کو کسی کے سامنے نہ کھول اور نہ کسی زندہ یا مردہ شخص کی ران پر نظر ڈال۔

یہ حکم عام ہے جس سے بیویوں کے سوا اور کوئی مستثنیٰ نہیں، چنانچہ حدیث میں ہے۔

احفظ عورتک الا من زوجتک اوما ملکت یمینک (احکام القرآن للجصاص جلد ۳ صفحہ ۳۷۲)	اپنے ستر کی حفاظت کرو بجز اپنی بیویوں کے اور ان لونڈیوں کے جو تمہارے تصرف میں ہوں۔

عورتوں کے لیے ستر کے حدود | عورتوں کے لیے ستر کے حدود اس سے زیادہ وسیع رکھے گئے۔ ان کو حکم دیا گیا کہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کے سوا تمام جسم کو تمام لوگوں سے چھپائیں۔ اس حکم میں باپ، بھائی اور تمام رشتہ دار مرد —— شامل ہیں، اور شوہر کے سوا کوئی مرد اس سے مستثنیٰ نہیں ہے:۔

لا یحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تخرج یدھا الا الی ھاھنا وقبض نصف الذراع۔ (ابن جریر)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی ایسی عورت کے لیے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتی ہو جائز نہیں کہ وہ اپنا ہاتھ اس سے زیادہ کھولے۔ یہ کہکر آپ نے اپنی کلائی کے نصف حصہ پر ہاتھ رکھا۔

الجاریة اذا حاضت لم یصلح ان یری منھا الا وجھھا ویدھا الی المفصل۔ (ابوداؤد)

لڑکی جب بالغ ہو جائے تو اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہ آنا چاہیے سوائے چہرے اور کلائی کے جوڑ تک ہاتھ کے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اپنے بھتیجے عبداللہ بن الطفیل کے سامنے زینت کے ساتھ آئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند کیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو میرا بھتیجا ہے۔ حضور نے فرمایا۔

اذا عرقت المرأة لم یحل لھا ان تظھر الا وجھھا والا مادون ھذا وقبض علی ذراع نفسہ فترک بین قبضتہ وبین الکف مثل قبضة اخری۔ (ابن جریر)

جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اپنے جسم میں سے کچھ ظاہر کرے سوائے چہرے کے اور سوائے اس کے۔ یہ کہکر آپ نے اپنی کلائی پر اس طرح ہاتھ رکھا کہ آپ کی گرفت کے مقام اور ہتھیلی کے درمیان صرف ایک مٹھی بھر جگہ باقی تھی۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی تھیں، ایک مرتبہ آپ کے سامنے باریک لباس پہنکر حاضر ہوئیں اس حال میں کہ جسم اندر سے جھلک رہا تھا۔ حضور نے فوراً نظر پھیر لی اور فرمایا:۔

یا اسماء ان المرأة اذا بلغت المحیض لم یصلح ان یری منھا الا ھذا وھذا واشار الی وجھہ وکفیہ (تکملہ فتح القدیر)

اے اسماء عورت جب سن بلوغ کو پہنچ جائے تو درست نہیں کہ اسکے جسم میں سے کچھ دیکھا جائے بجز اسکے اور اس کے۔ یہ کہکر آپ نے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

حفصہ بنت عبدالرحمٰن حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور وہ ایک باریک دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھیں۔ حضرت عائشہ نے اس کو پھاڑ دیا اور ایک موٹی اوڑھنی ان پر ڈالی (موطا امام مالک)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لعن اللہ الکاسیات العاریات۔ اللہ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو لباس پہن کر بھی ننگی کی ننگی رہیں۔

حضرت عمر کا ارشاد ہے کہ اپنی عورتوں کو ایسے کپڑے نہ پہناؤ جو جسم پر اس طرح چُست ہوں کہ سارے جسم کی ہیئت نمایاں ہو جائے (المبسوط۔ کتاب استحسان)

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کے سوا عورت کا پورا جسم ستر میں داخل ہے جس کو اپنے گھر میں اپنے قریب ترین عزیزوں سے بھی چھپانا اس پر واجب ہے۔ وہ شوہر کے سوا کسی کے سامنے اپنے ستر کو نہیں کھول سکتی خواہ وہ اس کا باپ، بھائی، یا بھتیجا ہی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ کہ وہ ایسا باریک لباس بھی نہیں پہن سکتی جس میں سے ستر نمایاں ہوتا ہو۔

اس باب میں جتنے احکام ہیں وہ سب جوان عورت کے لیے ہیں۔ ستر کے احکام اس وقت سے عائد ہوتے ہیں جب عورت سن رشد کے قریب پہنچ جائے، اور اس وقت تک نافذ رہتے ہیں جب تک اس میں صنفی کشش باقی رہے۔ اس عمر سے گذر جانے کے بعد احکام میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا	اور بڑھی بوڑھی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں
فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ	اگر اپنے دوپٹے اتار رکھا کریں تو اس میں کوئی مضائقہ
غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ	نہیں بشرطیکہ اپنی زینت کی نمائش مقصود نہ ہو۔ اور اگر
خَیْرٌ لَّهُنَّ (النور: ۸)	وہ احتیاط رکھیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہے۔

یہاں تخفیف کی علت صاف بیان کر دی گئی ہے۔ نکاح کی امید باقی نہ رہنے سے ایسی عمر مُراد ہے جس میں صنفی خواہشات فنا ہو جاتی ہیں اور کوئی کشش بھی باقی نہیں رہتی۔ تاہم مزید احتیاط کے طور پر یہ شرط لگا دی گئی کہ زینت کی نمائش مقصود نہ ہو۔ یعنی اگر صنفی خواہشات کی ایک چنگاری بھی سینہ میں باقی ہو تو دوپٹہ وغیرہ اتار کر بیٹھنا درست نہیں۔ تخفیف صرف اُن بڑی بوڑھیوں کے لئے ہے جن کو سن رسیدگی نے لباس کی قیود سے بے پروا کر دیا ہو اور جن کی طرف بجز احترام کی نظروں کے اور کسی قسم کی نظریں اٹھنے کا کوئی امکان نہ ہو۔ ایسی عورتیں گھر میں بغیر دوپٹے اور اوڑھنی کے بھی رہ سکتی ہیں۔

استیذان اس کے بعد دوسری حد یہ قائم کی گئی کہ گھر کے آدمیوں کو بلا اطلاع اچانک گھروں میں داخل ہونے سے منع کر دیا گیا تاکہ عورتوں کو کسی ایسے حال میں نہ دیکھیں جس میں مردوں کو انھیں نہ دیکھنا چاہیے

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور: ۸)

اور جب تمہارے لڑکے سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ وہ اسی طرح اجازت لے کر گھر میں آئیں جس طرح اُن کے بڑے ان سے پہلے اجازت لے کر آتے تھے۔

یہاں بھی علت حکم پر روشنی ڈال دی گئی ہے۔ استیذان کی حد اسی وقت سے شروع ہوتی ہے جبکہ صنفی احساس پیدا ہو جائے۔ اس سے پہلے اجازت مانگنا ضروری نہیں۔

اس کے ساتھ غیر لوگوں کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہوں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا۔ (النور: ۴)

اے اہل ایمان! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ اہل خانہ سے پوچھ نہ لو اور جب داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو۔

اصل مقصد اندرون خانہ اور بیرون خانہ کے درمیان حد بندی کرنا ہے تاکہ اپنی خانگی زندگی میں عورتیں اور مرد اجنبیوں کی نظروں سے محفوظ رہیں۔ اہل عرب ابتدا میں ان احکام کی علت کو نہ سمجھ

سکے، اس لیے بسا اوقات وہ گھر کے باہر سے گھروں میں جھانک لیتے تھے - ایک مرتبہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی یہ واقعہ پیش آیا - آپ اپنے حجرہ میں تشریف رکھتے تھے - ایک شخص نے اندر میں سے جھانکا - اس پر آپ نے فرمایا "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو جھانک رہا ہے تو میں تیری آنکھ میں کوئی چیز چبھو دیتا - استیذان کا حکم تو نظروں سے بچانے ہی کے لیے دیا گیا ہے"[1] اس کے بعد آپ نے اعلان فرمایا کہ "اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں بلا اجازت دیکھے تو گھر والوں کو حق ہے کہ اسکی آنکھ پھوڑ دیں"[2]

پھر اجنبی مردوں کو حکم دیا گیا کہ کسی دوسرے کے گھر سے کوئی چیز مانگنی ہو تو گھروں میں نہ چلے جائیں بلکہ باہر پردے کی اوٹ سے مانگیں -

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ (الاحزاب : ۱۷)	اور جب تم عورتوں سے کوئی چیز مانگو تو پردے کی اوٹ سے مانگو - اس میں تمہارے دلوں کے لیے بھی زیادہ پاکیزگی ہے اور ان کے دلوں کے لیے بھی -

یہاں بھی حدبندی کے مقصد پر ذالکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن سے پوری روشنی ڈال دی گئی ہے - عورتوں اور مردوں کو صنفی میلانات اور تحریکات سے بچانا ہی اصل مقصود ہے، اور یہ حدبندیاں اسی لیے کی جا رہی ہیں کہ عورتوں اور مردوں کے درمیان خلا ملا اور بے تکلفی نہ ہونے پائے -

یہ احکام صرف اجانب ہی کے لیے نہیں بلکہ گھر کے خدام کے لیے بھی ہیں - چنانچہ روایت میں آیا ہے کہ حضرت بلال یا حضرت انس نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے کسی بچے کو مانگا تو آپ نے پردے کے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر دیا،[3] حالانکہ یہ دونوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام خاص تھے اور

---

[1] بخاری - باب الاستیذان من اجل البصر -

[2] مسلم باب تحریم النظر فی بیت غیرہ -

[3] فتح القدیر -

آپ کے پاس گھر والوں کی طرح رہتے تھے۔

تخلیہ اور لمس کی ممانعت تیسری حد بندی یہ کی گئی کہ شوہر کے سوا کوئی مرد کسی عورت کے پاس نہ تخلیہ میں رہے اور نہ اس کے جسم کو مس کرے خواہ وہ قریب ترین عزیز ہی کیوں نہ ہو۔

عن عقبہ بن عامران رسول اللہ صلعم قال ایاکم والدخول علی النساء فقال رجل من الانصار یارسول اللہ افرأیت الحمو۔ قال الحمو الموت[1]

عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا خبردار عورتوں کے پاس تنہائی میں جاؤ۔ انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہؐ دیور اور جیٹھ کے متعلق کیا ارشاد ہے۔ فرمایا وہ تو موت ہے۔

لا تلجوا علی المغیبات فان الشیطان یجری من احدکم مجری الدم[2]

شوہروں کی غیر موجودگی میں عورتوں کے پاس جاؤ کیونکہ شیطان تم میں سے کسی کے اندر خون کی طرح گردش کر رہا ہے۔

عن عمرو ابن عاص قال نہانا رسول اللہ صلعم ان ندخل علی النساء بغیر اذن ازواجھن[3]

عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو عورتوں کے پاس ان کے شوہروں کی اجازت کے بغیر جانے سے منع فرمایا۔

لا یدخلن رجل بعد یومی ھذا علی مغیبۃ الا ومعہ رجل او اثنان (مسلم۔ باب تحریم الخلوۃ بالاجنبیہ)

آج کے بعد سے کوئی شخص کسی عورت کے پاس اسکے شوہر کے غیاب میں نہ جائے تاوقتیکہ اس کے ساتھ ایک دو آدمی اور نہ ہوں۔

ایسے ہی احکام لمس کے متعلق بھی ہیں۔

قال النبی صلعم من مس کف امرأۃ لیس منھا

حضورؐ نے فرمایا جو شخص کسی ایسی عورت کا ہاتھ چھوئیگا جسکے

---

[1] ترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ الدخول علی المغیبات۔ بخاری: باب لا یخلون رجل بامرأۃ الا ذو محرم۔ مسلم: باب تحریم الخلوۃ بالاجنبیہ
[2] ترمذی باب کراہیۃ الدخول علی المغیبات [3] ترمذی: باب فی النہی عن الدخول علی النساء الا باذن ازواجھن۔

بسبیل وضع علی کفہ جمر یوم القیمۃ۔ (بحوالہ فتح القدیر)

ساتھ اس کا جائز تعلق نہ ہو، اسکی ہتھیلی پر قیامت کے روز انگارا رکھا جائیگا

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے صرف زبانی اقرار لے کر بیعت لیا کرتے تھے - ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہ لیتے تھے - آپ نے کبھی کسی ایسی عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کیا جو آپ کے نکاح میں نہ ہو۔[1]

اُمیمہ بنت رُقیقہ کا بیان ہے کہ میں چند عورتوں کے ساتھ حضور سے بیعت کرنے حاضر ہوئی۔ آپ نے ہم سے اقرار لیا کہ شرک، چوری، زنا، بہتان تراشی و افترا پردازی، اور نبی کی نافرمانی سے احتراز کرنا - جب اقرار ہو چکا تو ہم نے عرض کیا کہ تشریف لائیے تاکہ ہم آپ سے بیعت کریں - آپ نے فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا - صرف زبانی اقرار کافی ہے۔[2]

یہ احکام بھی صرف جوان عورتوں کے لیے ہیں - سن رسیدہ عورتوں کے ساتھ خلوت میں بیٹھنا جائز ہے اور انکو چھونا بھی ممنوع نہیں - چنانچہ حضرت ابوبکر کے متعلق منقول ہے کہ وہ ایک قبیلہ میں جاتے تھے جہاں انہوں نے دودھ پیا تھا اور آپ اس قبیلہ کی بوڑھی عورتوں سے مصافحہ کرتے تھے - حضرت عبداللہ ابن زبیر کے متعلق یہ روایت ہے کہ وہ ایک بوڑھی عورت سے پاؤں اور سر دبوایا کرتے تھے - یہ امتیاز جو بوڑھی اور جوان عورتوں کے درمیان کیا گیا ہے، خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دراصل دونوں صنفوں کے درمیان ایسے اختلاط کو روکنا مقصود ہے جو فتنے کا سبب بن سکتا ہو۔

محرموں اور غیر محرموں کے درمیان فرق یہ تو وہ احکام تھے جن میں شوہر کے سوا تمام مرد شامل ہیں خواہ وہ محرم ہوں یا غیر محرم - عورت ان میں سے کسی کے سامنے اپنا ستر یعنی چہرے اور ہاتھ کے سوا جسم کا کوئی حصہ نہیں کھول سکتی ، بالکل اسی طرح جس طرح مرد کسی کے سامنے اپنا ستر یعنی ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ نہیں کھول

---

[1] بخاری باب بیعۃ النساء ، مسلم ، باب کیفیت بیعۃ النساء -

[2] نسائی باب بیعۃ النساء - ابن ماجہ باب بیعۃ النساء -

سکتا)۔ سب مردوں کو گھر میں اجازت لے کر داخل ہونا چاہیے۔ اور ان میں سے کسی کا عورت کے پاس خلوت میں بیٹھنا یا اسکے جسم کو ہاتھ لگانا جائز نہیں۔[1]

اسکے بعد محرموں اور غیر محرموں کے درمیان تفریق کی جاتی ہے۔ قرآن اور حدیث میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ آزادی اور بے تکلفی کے کونسے مدارج ایسے ہیں جو صرف محرم مردوں کے سامنے برتے جا سکتے ہیں اور غیر محرم مردوں کے سامنے برتنے جائز نہیں ہیں۔ یہی چیز ہے جسکو عرف عام میں پردہ یا حجاب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

---

[1] جسم کو ہاتھ لگانے کے معاملہ میں محرموں اور غیر محرم مردوں کے درمیان کافی فرق ہے۔ بھائی اپنی بہن کا ہاتھ پکڑ کر اسے سواری پر چڑھا یا اتار سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کسی غیر مرد کے لیے نہیں ہے۔ آنحضرت صلعم جب کبھی سفر سے واپس آتے تو حضرت فاطمہ کو گلے لگا کر سر کا بوسہ لیتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابو بکر حضرت عائشہ کے سر کا بوسہ لیتے تھے۔

پردہ کے احکام

قرآن مجید کی جن آیات میں پردہ کے احکام بیان ہوئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:-

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ۔ (النور: ۴)

اے نبی مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کا طریقہ ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اور مومن عورتوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں پست رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔ اور وہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں، سوائے اس زینت کے جو خود ظاہر ہو جائے۔ اور وہ اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بُکل مار لیا کریں۔ اور اپنی زینت کو ظاہر کریں مگر ان لوگوں کے سامنے: شوہر، باپ، خسر، بیٹے، سوتیلے بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے، اپنی عورتیں، اپنی لونڈیاں اور غلام، وہ مرد خدمتگار جو عورتوں سے کچھ مطلب نہیں رکھتے، یا وہ لڑکے جو ابھی عورتوں کی پردے کی باتوں سے آگاہ نہیں ہوئے ہیں۔ (نیز انکو حکم دو کہ) وہ چلتے وقت اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ مارتی چلیں کہ جو زینت انھوں نے چھپا رکھی ہے (آواز کے ذریعہ سے) اس کا اظہار ہو۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔ (الاحزاب : ۴)

اے نبی کی بیبیو! تم کچھ عام عورتوں کی طرح تو ہو نہیں۔ اگر تمہیں پرہیزگاری منظور ہے تو دبی زبان سے بات نہ کرو کہ جس شخص کے دل میں کوئی خرابی ہے وہ تم سے کچھ توقعات وابستہ کر بیٹھے۔ بات سیدھی سادھی طرح کرو اور اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہو اور اگلے زمانۂ جاہلیت کے سے بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ (الاحزاب : ۸)

اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں۔ اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ پہچانی جائیں گی اور انکو ستایا نہ جائیگا۔

ان آیات پر غور کیجیے۔ مردوں کو تو صرف اتنی تاکید کی گئی ہے کہ اپنی نگاہیں پست رکھیں اور فواحش سے اپنے اخلاق کی حفاظت کریں۔ مگر عورتوں کو مردوں کی طرح اِن دونوں چیزوں کا حکم بھی دیا گیا ہے اور پھر معاشرت اور برتاؤ کے بارے میں مزید چند ہدایتیں بھی دی گئی ہیں۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ان کے اخلاق کی حفاظت کے لیے صرف غضِّ بصر اور حفظ فروج کی کوشش ہی کافی نہیں ہے بلکہ کچھ اور ضوابط کی بھی ضرورت ہے۔ اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ ان مجمل ہدایات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے اسلامی معاشرت میں عملاً کس طرح نافذ کیا ہے، اور ان کے اقوال اور اعمال سے ان ہدایات کی معنوی اور عملی تفصیلات پر کیا روشنی پڑتی ہے۔

غضِّ بصر سب سے پہلا حکم جو مردوں اور عورتوں کو دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ غضِّ بصر کرو۔ عموماً اس لفظ کا ترجمہ "نظریں نیچی رکھو" یا "نگاہیں پست رکھو" کیا جاتا ہے۔ مگر اس سے پورا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ حکم الٰہی کا اصل مقصد یہ نہیں ہے کہ لوگ ہر وقت نیچے ہی دیکھتے رہیں اور کبھی اوپر نظر ہی نہ اٹھائیں۔ مدعا در اصل یہ ہے کہ

اُس چیز سے پرہیز کرو جس کو حدیث میں آنکھوں کی زنا کہا گیا ہے۔ اجنبی عورتوں کے حسن اور انکی زینت کی دید سے لذت اندوز ہونا مردوں کے لیے، اور اجنبی مردوں کو مطمح نظر بنانا عورتوں کے لیے، فتنہ کا موجب ہے۔ فساد کی ابتدا طبعاً و عادۃً یہیں سے ہوتی ہے۔ اس لیے سب سے پہلے اسی دروازے کو بند کیا گیا ہے اور یہی غضِ بصر کی مراد ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ جب انسان آنکھیں کھول کر دنیا میں رہیگا تو سب ہی چیزوں پر اسکی نظر پڑیگی یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی مرد کسی عورت کو اور کوئی عورت کسی مرد کو دیکھے ہی نہیں۔ شارع نے اس کے متعلق فرمایا کہ اچانک نظر پڑ جائے تو معاف ہے۔ دراصل جو چیز ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ ایک نگاہ میں جہاں تم کو حسن محسوس ہو وہاں دوبارہ نظر دوڑاؤ اور اسکو ہدفِ نظر بناؤ۔

عن جریر قال سألت رسول اللہ صلعم عن نظر الفجأۃ فقال اصرف بصرک۔ (ابو داؤد۔ باب ما یومر بہ عن غض البصر)

حضرت جریر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا نظر پھیر لو۔

عن بریدۃ قال رسول اللہ صلعم لعلی یا علی لا تتبع النظرۃ النظرۃ فان لک الاولیٰ و لیس لک الاٰخرۃ (ابو داؤد۔ باب مذکور)

حضرت بریدہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا اے علی ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو پہلی نظر تمہیں معاف ہے مگر دوسری نظر کی اجازت نہیں۔

عن النبی صلعم انہ قال من نظر الی محاسن امرأۃ اجنبیۃ عن شھوۃ صب فی عینیہ الآنک یوم القیٰمۃ (تکملہ فتح القدیر)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی اجنبی عورت کے محاسن پر شہوت کی نظر ڈالے گا قیامت کے روز اس کی آنکھوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائیگا۔

مگر بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں جن میں اجنبیہ کو دیکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مثلاً کوئی مریضہ کسی طبیب کے زیر علاج ہو، یا کوئی عورت کسی مقدمہ میں قاضی کے سامنے بحیثیت گواہ یا بحیثیت فریقِ مقدمہ پیش

ہو، یا کسی آتش زدہ مقام میں کوئی عورت گھر گئی ہو، یا پانی میں ڈوب رہی ہو، یا اس کی جان یا آبرو کسی خطرہ میں مبتلا ہو۔ ایسی صورتوں میں چہرہ تو درکنار حسب ضرورت ستر کو بھی دیکھا جا سکتا ہے، جسم کو ہاتھ بھی لگایا جا سکتا ہے، بلکہ ڈوبتی ہوئی یا جلتی ہوئی عورت کو گود میں اٹھا کر باہر نکال لانا بھی صرف جائز ہی نہیں، فرض ہے۔ شارع کا حکم یہ ہے کہ ایسی صورتوں میں جہاں تک ممکن ہو اپنی نیت کو پاک رکھو۔ لیکن اقتضائے بشریت سے اگر جذبات میں کوئی خفیف سی تحریک پیدا ہو جائے تب بھی کوئی گناہ نہیں، کیونکہ ایسی نظر اور ایسے لمس کے لیے ضرورت داعی ہوئی ہے اور فطرت کے مقتضیات کو بالکل روک دینے پر انسان قادر نہیں ہے[۱]

اسی طرح اجنبی عورت کو نکاح کے لیے دیکھنا اور تفصیلی نظر کے ساتھ دیکھنا نہ صرف جائز ہے، بلکہ احادیث میں اس کا حکم وارد ہوا ہے، اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض کے لیے عورت کو دیکھا ہے۔

عن المغیرۃ بن شعبہ انہ خطب امرأۃ فقال النبی صلعم انظر الیھا فانہ احری ان یؤدم بینکما (ترمذی۔ باب ما جاء فی النظر الی المخطوبہ)

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اسکو دیکھ لو کیونکہ یہ تم دونوں کے درمیان محبت و اتفاق پیدا کرنے کے لیے مناسب ہوگا۔

عن سھل بن سعد ان امرأۃ جاءت الی رسول اللہ صلعم فقالت یا رسول اللہ جئت لاھب لک نفسی فنظر الیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصعد النظر الیھا (بخاری۔ باب النظر الی المرأۃ قبل التزویج)

سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور بولی کہ میں اپنے آپ کو حضور کے نکاح میں دینے کے لیے آئی ہوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھائی اور اسکو دیکھا۔

---

[۱] اس مضمون کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر امام رازی، آیۂ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم۔ احکام القرآن للجصاص، تفسیر آیۂ مذکورہ تکملۂ فتح القدیر، فصل فی الوطء والنظر واللمس۔ المبسوط، کتاب الاستحسان۔

عن ابی ھریرۃ قال کنت عند النبی صلعم فاتاہ رجل فاخبرہ انہ تزوج امرأۃ من الانصار فقال لہ رسول اللہ صلعم انظرت الیھا؟ قال لا۔ قال فاذھب فانظر الیھا فان فی اعین الانصار شیئاً (مسلم - باب ندب من اراد نکاح امرأۃ الی ان ینظر الی وجھھا)۔

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے انصار میں سے ایک عورت کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا ہے۔ حضور نے پوچھا کیا تو نے اسے دیکھا ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا جا اور اس کو دیکھ لے، کیونکہ انصار کی آنکھوں میں عموماً کچھ عیب ہوتا ہے۔

عن جابر بن عبداللہ قال رسول اللہ صلعم اذا خطب احدکم المرأۃ فان استطاع ان ینظر الی ما یدعوہ الی نکاحھا فلیفعل۔ (ابوداؤد - باب فی الرجل ینظر الی المرأۃ وھو یرید تزویجھا)۔

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو حتی الامکان اسے دیکھ لینا چاہیے کہ آیا اس میں کوئی ایسی چیز ہے جو اسکو اس عورت کے ساتھ نکاح کی طرف رغبت دلانے والی ہو۔

ان مستثنیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شارع کا مقصد دیکھنے کو کلیتہً روک دینا نہیں ہے بلکہ در اصل فتنے کا سد باب مقصود ہے، اور اس غرض کے لیے صرف ایسے دیکھنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے جسکی کوئی حاجت بھی نہ ہو، جس کا کوئی تمدنی فائدہ بھی نہ ہو، اور جس میں جذبات شہوانی کو تحریک دینے کے اسباب بھی موجود ہوں۔

یہ حکم جس طرح مردوں کے لیے ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہے۔ چنانچہ حدیث میں حضرت ام سلمہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ اور حضرت میمونہؓ[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی تھیں۔ اتنے میں حضرت ابن ام مکتوم آئے جو نابینا تھے۔ حضور نے فرمایا ان سے پردہ کرو۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا، کیا یہ نابینا نہیں ہیں؟ نہ وہ ہم کو دیکھیں گے، نہ ہمیں پہچانیں گے۔ حضور نے جواب دیا: کیا تم دونوں بھی نابینا

[1] دوسری روایت میں حضرت عائشہ کا ذکر ہے۔

ہو؟ کیا تم انہیں نہیں دیکھتی ہو؟[۱]

مگر عورت کے مردوں کو دیکھنے اور مرد کے عورتوں کو دیکھنے میں نفسیات کے اعتبار سے ایک نازک فرق ہے۔ مرد کی فطرت میں اقدام ہے، کسی چیز کو پسند کرنے کے بعد وہ اس کے حصول کی سعی میں پیش قدمی کرتا ہے مگر عورت کی فطرت میں تمانع اور فرار ہے، جب تک کہ اس کی فطرت بالکل ہی مسخ نہ ہو جائے، وہ کبھی اس قدر دراز دست اور جری و بے باک نہیں ہو سکتی کہ کو پسند کرنے کے بعد خود اس کی طرف پیش قدمی کرے۔ شارع نے اس فرق کو ملحوظ رکھ کر عورتوں کے لیے غیر مردوں کو دیکھنے کے معاملہ میں وہ سختی نہیں کی ہے جو مردوں کے لیے غیر عورتوں کو دیکھنے کے معاملہ میں کی ہے۔ چنانچہ احادیث میں حضرت عایشہ کی یہ روایت مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے موقع پر اُن کو خود حبشیوں کا تماشا دکھایا تھا۔[۲] اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا مردوں کو دیکھنا مطلقاً ممنوع نہیں ہے، بلکہ ایک مجلس میں مل کر بیٹھنا اور نظر جما کر دیکھنا مکروہ ہے۔ اور ایسی نظر بھی جائز نہیں جس میں فتنے کا احتمال ہو۔ وہی نابینا صحابی، ابن ام مکتوم، جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کو پردہ کرنے کا حکم دیا تھا، ایک دوسرے موقع پر حضور انہی کے گھر میں فاطمہ بنت قیس کو عدت بسر کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ قاضی ابو بکر ابن العربی نے احکام القرآن میں اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے

---

[۱] ترمذی، باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال۔

[۲] یہ روایت بخاری اور مسلم اور نسائی اور مسند احمد وغیرہ میں کئی طریقوں سے آئی ہے۔ بعض لوگوں نے اس کی توجیہہ یہ کی ہے کہ یہ واقعہ شاید اس وقت کا ہے جب حضرت عائشہ کم سن تھیں اور حجاب کے احکام نازل نہ ہوئے تھے۔ مگر ابن حبان میں تصریح ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حبش کا وفد مدینہ آیا تھا۔ اور تاریخ سے ثابت ہے کہ اس وفد کی آمد ۷ھ میں ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے حضرت عائشہ کی عمر اس وقت پندرہ سولہ برس کی تھی۔ نیز بخاری کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کو چادر سے ڈھانکتے جاتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ احکام حجاب بھی اس وقت نازل ہو چکے تھے۔

کہ فاطمہ بنت قیس ام شریک کے گھر میں عدت گذارنا چاہتی تھیں۔ حضور نے فرمایا کہ اس گھر میں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں، تم ابن ام مکتوم کے ہاں رہو کیونکہ وہ ایک اندھا آدمی ہے اور اس کے ہاں تم بے پردہ رہ سکتی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصد فتنے کے احتمالات کو کم کرنا ہے۔ جہاں فتنے کا احتمال زیادہ تھا وہاں رہنے سے منع فرما دیا۔ جہاں احتمال کم تھا وہاں رہنے کی اجازت دیدی کیونکہ بہرحال اس عورت کو کہیں رہنا ضرور تھا۔ لیکن جہاں کوئی حقیقی ضرورت نہ تھی وہاں خواتین کو ایک غیر مرد کے ساتھ ایک مجلس میں جمع ہونے اور ا وپر دا اسکو دیکھنے سے روک دیا۔

یہ سب مراتب حکمت پر مبنی ہیں اور جو شخص مغز شریعت تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہو وہ باسانی سمجھ سکتا ہے کہ غض بصر کے احکام کن مصالح پر مبنی ہیں اور ان مصالح کے لحاظ سے ان احکام میں شدت اور تخفیف کا مدار کن امور پر ہے۔ شارع کا اصل مقصد تم کو نظر بازی سے روکنا ہے۔ ورنہ اسے تمہاری آنکھوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ یہ آنکھیں ابتدا میں بڑی معصوم نگاہوں سے دیکھتی ہیں۔ نفس کا شیطان انکی تائید میں بڑے بڑے پر فریب دلائل پیش کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ یہ ذوق جمال ہے جو فطرت نے تم میں ودیعت کیا ہے، جمال فطرت کے دوسرے مظاہر و تجلیات کو جب تم دیکھتے ہو اور ان سے بہت ہی پاک لطف اٹھاتے ہو تو جمال انسانی کو بھی دیکھو اور ویسا ہی روحانی لطف اٹھاؤ۔ مگر اندر ہی اندر یہ شیطان لطف اندوزی کی لے کو بڑھاتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہی ذوق جمال ترقی کر کے شوق وصال بن جاتا ہے۔ کون ہے جو اس حقیقت سے انکار کی جرأت رکھتا ہو کہ دنیا میں جس قدر بدکاری اب تک ہوئی ہے اور اب ہو رہی ہے اس کا پہلا اور سب سے بڑا محرک یہی آنکھوں کا فتنہ ہے؟ کون یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اپنی صنف مقابل کے کسی حسین اور جوان فرد کو دیکھ کر اس میں وہی کیفیات پیدا ہوتی ہیں جو ایک خوبصورت پھول کو دیکھ کر ہوتی ہیں؟ اگر دونوں قسم کی کیفیات میں فرق ہے اور ایک کے برخلاف دوسری کیفیت کم و بیش شہوانی کیفیت ہے تو پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ایک ذوق جمال کے لیے بھی وہی آزادی ہونی چاہیے جو دوسرے

ذوقِ جمال کے لیے ہے۔ شارع تمہارے ذوقِ جمال کو مٹانا تو نہیں چاہتا۔ وہ کہتا ہے کہ تم اپنی پسند کے مطابق اپنا ایک جوڑا انتخاب کر لو اور جمال کا جتنا ذوق تم میں ہے اس کا مرکز صرف اسی ایک کو بنا لو۔ پھر جتنا چاہو اس سے لطف اٹھاؤ۔ اس مرکز سے ہٹ کر تم دیدہ بازی کرو گے تو فواحش میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اگر ضبطِ نفس یا دوسرے موانع کی بنا پر آوارگیٔ عمل میں مبتلا نہ بھی ہوئے تو آوارگیٔ خیال سے کبھی نہ بچ سکو گے۔ تمہاری بہت سی قوت آنکھوں کے رستے ضائع ہو گی۔ بہت سے ناکردہ گناہوں کی حسرت تمہارے دل کو ناپاک کرے گی۔ بار بار فریبِ محبت میں مبتلا ہو گے اور بہت سی راتیں بیداری کے خواب دیکھنے میں جاگ جاگ کر ضائع کرو گے۔ بہت سے حسین ناگوں اور ناگنوں سے ڈسے جاؤ گے تمہاری بہت سی قوتِ حیات دل کی دھڑکن اور خون کے ہیجان میں ضائع ہو جائے گی۔ یہ نقصان کیا کچھ کم ہے؟ اور یہ سب اپنے مرکزِ دید سے ہٹ کر دیکھنے ہی کا نتیجہ ہے۔ لہذا اپنی آنکھوں کو قابو میں رکھو۔ بغیر حاجت کے دیکھنا اور ایسا دیکھنا جو فتنے کا سبب بن سکتا ہو، قابلِ حذر ہے۔ اگر دیکھنے کی حقیقی ضرورت ہو یا اس کا کوئی تمدنی فائدہ ہو تو احتمالِ فتنہ کے باوجود دیکھنا جائز ہے۔ اور اگر حاجت نہ ہو لیکن فتنے کا بھی احتمال نہ ہو تو عورت کے لیے مرد کو دیکھنا جائز ہے، مگر مرد کے لیے عورت کو دیکھنا جائز نہیں الا یہ کہ اچانک نظر پڑ جائے۔

اظہارِ زینت کی ممانعت اور اسکے حدود

غضِ بصر کا حکم عورت اور مرد دونوں کے لیے تھا۔ اس کے بعد چند احکام خاص عورتوں کے لیے ہیں۔ ان میں سے پہلا حکم یہ ہے کہ ایک محدود دائرے کے باہر اپنی "زینت" کے اظہار سے پرہیز کریں۔

اس حکم کے مقاصد اور اسکی تفصیلات پر غور کرنے سے پہلے اُن احکام کو پھر ایک مرتبہ ذہن میں تازہ کر لیجیے جو اس سے پہلے لباس اور ستر کے باب میں بیان ہو چکے ہیں۔ چہرے اور ہاتھوں کے سوا عورت کا پورا جسم ستر ہے جس کو باپ، چچا، بھائی اور بیٹے تک کے سامنے کھولنا جائز نہیں۔ حتیٰ کہ عورت پر بھی عورت کے

ستر کا کھلنا مکروہ ہے۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھنے کے بعد اظہار زینت کے حدود ملاحظہ کیجیے۔

(۱) عورت کو اجازت دی گئی ہے کہ اپنی زینت کو اِن رشتہ داروں کے سامنے ظاہر کرے: شوہر، باپ، خسر، بیٹے، سوتیلے بیٹے، بھائی، بھتیجے اور بھانجے۔

(۲) اُسکو یہ بھی اجازت دی گئی ہے کہ اپنے لونڈی غلاموں کے سامنے اظہار زینت کرے۔

(۳) وہ ایسے مردوں کے سامنے بھی زینت کے ساتھ آسکتی ہے جو عورتوں کی طرف رغبت نہیں رکھتے۔ قرآن میں ان کے لیے التابعین غیر اولی الاربۃ کے الفاظ آئے ہیں۔ تابع کا مفہوم ظاہر ہے۔ ہماری زبان میں لفظ "تابعدار" اسی معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اربہ کے معنی الحاجۃ فی النساء (عورتوں کی طرف میلان و رغبت) کے ہیں۔ پس شارع کی مراد یہ ہے کہ عورت ایسے مردوں کے سامنے بھی اظہار زینت کرسکتی ہے جو زیر دست ہوں، اور اسکے ساتھ ہی ان کے حالات سے بھی یہ ظاہر ہو کہ ان سے کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے، مثلاً بوڑھے، فقراء و مساکین، یا ابلہ لوگ۔ شبہ ہو سکتا تھا کہ اس حکم میں مخنث بھی داخل ہیں کیونکہ وہ جسمانی حیثیت سے فتنہ پیدا کرنے کے اہل ہی نہیں ہیں۔ لیکن شارع نے انکو اس اجازت سے خارج کر دیا، اس لیے کہ اگرچہ ان کی جسمانی اہلیت مفقود ہو جاتی ہے، مگر جذبات مفقود نہیں ہوتے اور وہ بآسانی فتنے پیدا کرنے کا وسیلہ بن سکتے ہیں۔ حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ام سلمہ کے پاس ایک مخنث بیٹھا تھا اور ان کے بھائی سے کہہ رہا تھا کہ اے عبداللہ اگر کل طائف فتح ہو گیا تو ایک پری کا تمہیں پتہ دوں گا جو چار کے ساتھ آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ پلٹتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گفتگو سن لی اور فرمایا کہ آیندہ سے یہ گھر میں نہ آئے۔ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ ازواج مطہرات کے پاس ایک مخنث آیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ ایک عورت کی صفت بیان کر رہا تھا۔

۱؎ عورت کے لیے عورت کے جسم کا ناف سے گھٹنے تک کا حصہ دیکھنا اسی طرح حرام ہے جس طرح مرد کے لیے دوسرے مرد کا یہی حصۂ جسم دیکھنا حرام ہے۔ ۲؎ تفسیر کبیر آیۃ والتابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال۔

اتنے میں حضورؐ تشریف لے آئے اور اسکی باتیں سن لیں۔ فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ یہ عورتوں کے احوال سے واقف ہے، لہٰذا اب یہ تمہارے پاس نہ آئے، اس سے پردہ کرو[1]۔ ان واقعات کے بعد آنحضرت صلعم نے مخنثوں سے پردہ کرنیکا عام حکم دیدیا[2]۔

(۴) عورت ایسے بچوں کے سامنے بھی اظہار زینت کرسکتی ہے جن میں ابھی صنفی احساسات پیدا نہ ہوئے ہوں۔ قرآن میں او الطفل الذین لم یظھروا علیٰ عورات النساء فرمایا گیا ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ "ایسے بچے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے آگاہ نہ ہوئے ہوں"۔

(۵) اپنے میل جول کی عورتوں کے سامنے بھی عورت کا زینت کے ساتھ آنا جائز ہے۔ قرآن میں النساء (عورتوں) کے الفاظ نہیں کہے گئے بلکہ نساءھنّ (اپنی عورتوں) کے الفاظ کہے گئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ شریف عورتیں یا اپنے کنبے رشتے یا اپنے طبقہ کی عورتیں مراد ہیں۔ اُن کے ماسوا غیر عورتیں، جن میں ہر قسم کی مجہول الحال اور مشتبہ کیرکٹر والیاں اور آوارہ و بدنام سب ہی شامل ہوتی ہیں، اس اجازت سے خارج ہیں کیونکہ وہ بھی فتنہ کا سبب بن سکتی ہیں۔ اسی بنا پر جب شام کے علاقہ میں مسلمان گئے اور انکی خواتین وہاں کی نصرانی و یہودی عورتوں کے ساتھ بے تکلفانہ ملنے لگیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیر شام حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو لکھا کہ مسلمان عورتوں کو اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ حماموں میں جانے سے منع کردو[3]۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تصریح کی ہے کہ "مسلمان عورت کفار اور اہل الذمہ کی عورتوں کے سامنے اس سے زیادہ ظاہر نہیں کرسکتی جو اجنبی مردوں کے سامنے ظاہر کرسکتی ہے[4]"۔ اس سے کوئی مذہبی امتیاز مقصود

---

[1] احکام القرآن للجصاص تفسیر آیۂ مذکور۔

[2] بخاری۔ باب ماینہی من دخول المتشبھین بالنساء علی المرأۃ

[3] ابن جریر۔ تفسیر آیۂ مذکورہ۔

[4] تفسیر کبیر آیۂ مذکورہ۔

نہیں، بلکہ مسلمان عورتوں کو ایسی عورتوں کے اثرات سے بچانا مقصود ہے جنکے اخلاق اور تہذیب کا صحیح حال معلوم نہ ہو یا جس حد تک معلوم ہو وہ اسلامی نقطۂ نظر سے قابل اعتراض ہو۔ رہیں وہ غیر مسلم عورتیں جو شریف اور باحیا اور نیک خصلت ہوں تو وہ نسائھن ہی میں شمار ہوں گی۔

ان حدود پر غور کرنے سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں :-

ایک یہ کہ جس زینت کے اظہار کی اجازت اس محدود حلقہ میں دی گئی ہے وہ ستر عورت کے ماسوا ہے اس سے مراد زیور پہننا، اچھے ملبوسات سے آراستہ ہونا، سرمہ اور حنا اور بالوں کی آرائش اور دوسری وہ آرائشیں ہیں جو عورتیں اپنی انوثت کے اقتضا سے اپنے گھر میں کرنے کی عادی ہوتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ اس قسم کی آرائشوں کے اظہار کی اجازت یا تو اُن مردوں کے سامنے دی گئی ہے جن کو ابدی حرمت نے عورتوں کے لیے حرام کر دیا ہے، یا اُن لوگوں کے سامنے جنکے اندر صنفی میلانات نہیں ہیں اور جو اخلاق کے اعتبار سے محفوظ ہیں۔ چنانچہ عورتوں کے لیے نسائھن کی قید ہے۔ تابعین کے لیے غیر اولی الاربہ کی قید ہے بچوں کے لیے لم یظہروا علیٰ عورات النساء کی شرط ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شارع کا منشأ عورتوں کے اظہار زینت کو ایسے حلقہ میں محدود کرنا ہے جس میں اُن کے حسن اور اُن کی آرائش سے کسی قسم کے ناجائز جذبات پیدا ہونے اور صنفی انتشار کے اسباب فراہم ہو جانے کا اندیشہ نہیں ہے۔

اس حلقہ کے باہر جتنے مرد ہیں ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ ان کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کرو، بلکہ چلنے میں پاؤں بھی اس طرح نہ مارو کہ چھپی ہوئی زینت کا حال آواز سے ظاہر ہو اور اس ذریعہ سے توجہات تمہاری طرف منعطف ہوں۔ اس فرمان میں جس زینت کو اجانب سے چھپانے کا حکم دیا گیا ہے وہ وہی زینت ہے جسکو ظاہر کرنے کی اجازت اوپر کے محدود حلقہ میں دی گئی ہے۔ مقصود بالکل واضح ہے۔ عورتیں اگر بن ٹھن کر ایسے لوگوں کے سامنے آئیں گی جو صنفی خواہشات رکھتے ہیں اور جن کے داعیات نفس کو ابدی حرمت نے پاکیزہ اور معصوم جذبات سے مبدّل بھی نہیں کیا ہے، تو لامحالہ اسکے اثرات وہی ہوں گے جو مقتضائے

بشریت ہیں۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ ایسے اظہار زینت سے ہر عورت بالفعل فاحشہ ہو جائیگی اور ہر مرد بالفعل بدکار ہی بنکر رہیگا۔ مگر اس سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ زینت و آرائش کے ساتھ عورتوں کے علانیہ پھرنے اور محفلوں میں شریک ہونے سے بیشمار جلی اور خفی، نفسانی اور مادّی نقصانات رونما ہوتے ہیں۔ آج یورپ اور امریکہ کی عورتیں اپنی اور اپنے شوہروں کی آمدنی کا بیشتر حصّہ اپنی آرائش پر خرچ کر رہی ہیں اور روز بروز ان کا یہ خرچ اتنا بڑھتا چلا جا رہا ہے کہ ان کے معاشی وسائل اسکے تحمل کی قوت نہیں رکھتے[1]۔ کیا یہ جنون انہی پُرشوق نگاہوں نے پیدا نہیں کیا ہے جو بازاروں اور دفتروں اور سوسائیٹی کے اجتماعات میں آراستہ خواتین کا استقبال کرتی ہیں؟ پھر غور کیجیے کہ آخر عورتوں میں آرائش کا اسقدر شوق پیدا ہونے اور طوفان کی طرح بڑھنے کا سبب کیا ہے؟ یہی نا کہ وہ مردوں سے خراج تحسین وصول کرنا اور انکی نظروں میں کُھب جانا چاہتی ہیں[2]۔

---

[1] حال میں کیمیاوی سامان بنانے والوں کی نمائش ہوئی تھی جس میں ماہرین کے بیانات سے معلوم ہوا کہ انگلستان کی عورتیں اپنے سنگھار پر دو کروڑ پونڈ اور امریکہ کی عورتیں ساڑھے بارہ کروڑ پونڈ سالانہ خرچ کرتی ہیں اور قریب قریب ۹۰ فیصدی عورتیں کسی نہ کسی طریقہ کے (Make — up) کی خوگر ہیں۔

[2] خوبصورت بننے کا جنون عورتوں میں، اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ اسکی خاطر وہ اپنی جانیں تک دے رہی ہیں۔ انکی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہلکی پھلکی گڑیا سی بنکر رہیں اور ان کے جسم پر ایک آونس بھی ضرورت سے زیادہ گوشت نہ ہو۔ خوبصورتی کے لیے پنڈلی، ران، اور سینے کے جو ناپ ماہرین نے تجویز کر دیے ہیں، ہر لڑکی اپنے آپ کو اس پیمانے کے اندر رکھنا چاہتی ہے، گویا اس کمبخت کی زندگی کا کوئی مقصد دوسروں کی نگاہوں میں مرغوب بننے کے سوا نہ رہا۔ اس مقصد کے لیے یہ بے چاریاں فاقے کرتی ہیں، جسم کو نشو و نما دینے والی غذاؤں سے قصداً اپنے آپکو محروم رکھتی ہیں، لیموں کے رس، تلخ قہوہ، اور ایسی ہی ہلکی غذاؤں پر جیتی ہیں، اور طبی مشورے کے بغیر، بلکہ اُس کے خلاف ایسی دوائیں استعمال کرتی ہیں جو انہیں دُبلا کر دیں۔ اس جنون کی خاطر بہت سی عورتوں نے اپنی جانیں دی ہیں، اور دے رہی ہیں۔ ۱۹۳۷ء میں بوڈاپسٹ کی مشہور ایکٹرس جوسی لا باس یکایک حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے مر گئی۔ بعد میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ کئی سال سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹ پر ملاحظہ ہو)

یہ کس لیے؟ کیا یہ بالکل ہی معصوم جذبہ ہے؟ کیا اس کی تہ میں وہ صنفی خواہشات چھپی ہوئی نہیں ہیں جو اپنے فطری دائرے سے نکل کر پھیل جانا چاہتی ہیں اور جن کے مطالبات کا جواب دینے کے لیے دوسری جانب بھی ویسی ہی خواہشات موجود ہیں؟ اگر آپ اس سے انکار کرینگے تو شائد کل آپ یہ دعویٰ کرنے میں بھی تامل نہ کریں کہ جوالا مکھی پہاڑ پر جو دھواں نظر آتا ہے اس کی تہ میں کوئی لاوا باہر نکلنے کے لیے بے تاب نہیں ہے۔ آپ اپنے عمل کے مختار ہیں، جو چاہیے کیجیے، مگر حقائق سے انکار نہ کیجیے۔ یہ حقیقتیں اب کچھ مستور بھی نہیں رہیں۔ سامنے آچکی ہیں اور اپنے نتائج، آفتاب سے زیادہ روشن نتائج کے ساتھ آچکی ہیں۔ آپ ان نتائج کو دانستہ یا نادانستہ قبول کرتے ہیں، مگر اسلام ان کو ٹھیک اسی مقام پر روک دینا چاہتا ہے

بقیہ گذشتہ: ۔ قصداً نیم فاقہ کشی کی زندگی بسر کر رہی تھی اور جسم گھٹانے کی پیٹنٹ دوائیں استعمال کیے جاتی تھی۔ آخر اسکی قوتوں نے یکایک جواب دیدیا۔ اسکے بعد پے درپے بوڈاپسٹ ہی میں تین اور ایسے ہی حادثے پیش آئے۔ ماگدا ابرسیلی جو اپنے حسن اور اپنے کمالات کے لیے تمام ہنگری میں مشہور تھی اسی "ہلکے پن" کے شوق کی نذر ہوئی۔ پھر ایک مغنیہ لوئیسا زابو جسکے گانوں کی ہر طرف دھوم تھی ایک رات عین اسٹیج پر اپنا کام کرتے ہوئے ہزارہا ناظرین کے سامنے غش کھا کر گر پڑی۔ اسکو یہ غم کھائے جاتا تھا کہ اسکا جسم موجودہ زمانے کے معیار حسن پر پورا نہیں اترتا۔ اس مصیبت کو دور کرنے کے لیے بیچاری نے مصنوعی تدبیریں اختیار کرنی شروع کیں اور ۲ مہینے میں ۴۰ پونڈ وزن کم کر ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دل حد سے زیادہ کمزور ہو گیا اور ایک دن وہ بھی خریداران حسن کی بھینٹ چڑھ کر رہی۔ اس کے بعد ایولا نامی ایک اور ایکٹریس کی باری آئی اور اس نے مصنوعی تدبیروں سے اپنے آپ کو اتنا ہلکا کیا کہ ایک مستقل دماغی مرض میں مبتلا ہو گئی اور اسٹیج کے بجائے اُسے پاگل خانے کی راہ لینی پڑی۔ اس قسم کی مشہور شخصیتوں کے واقعات تو اخباروں میں آجاتے ہیں، مگر کون جانتا ہے کہ یہ حسن اور معشوقیت کا جنون، جو گھر گھر پھیلا ہوا ہے، روزانہ کتنی صحتوں اور کتنی زندگیوں کو تباہ کرتا ہوگا۔ کوئی بتائے کہ یہ عورتوں کی آزادی ہے یا انکی غلامی؟ اس نام نہاد آزادی نے تو ان پر مردوں کی خواہشات کا استبداد اور زیادہ مسلط کر دیا ہے۔ اس نے تو ان کو ایسا غلام بنایا ہے کہ وہ کھانے پینے، اور تندرست رہنے کی آزادی سے بھی محروم ہو گئیں۔ ان غریبوں کا تو جینا اور مرنا اب بس مردوں ہی کے لیے رہ گیا ہے!

جہاں سے ان کے ظہور کی ابتدا ہوتی ہے، کیونکہ اسکی نظر اظہار زینت کے بظاہر معصوم آغاز پر نہیں بلکہ اُس نہایت غیر معصوم انجام پر ہے جو تمام سوسائیٹی پر قیامت کی سی تاریکی لے کر پھیل جاتا ہے۔ مثل الرافلۃ فی الزینۃ فی غیر اھلھا کمثل ظلمۃ یوم القیمۃ لا نور لھا۔ [1]

قرآن میں جہاں اجنبیوں کے سامنے زینت کا اظہار کرنے کی ممانعت کی ہے وہاں ایک استثناء بھی ہے: الا ما ظھر منھا، جس کا مطلب ہے کہ ایسی زینت کے ظاہر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جو خود ظاہر ہو جائے۔ لوگوں نے اس استثناء سے بہت کچھ فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ان الفاظ میں کچھ زیادہ فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہی نہیں۔ شارع صرف یہ کہتا ہے کہ تم اپنے ارادہ سے غیروں کے سامنے اپنی زینت ظاہر نہ کرو، لیکن جو زینت خود ظاہر ہو جائے یا اضطراراً ظاہر ہی رہنے والی ہو اسکی تم پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ مطلب صاف ہے۔ تمہاری نیت اظہار زینت کی نہ ہونی چاہیے۔ تم میں یہ جذبہ، یہ ارادہ ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ اپنی آرائش غیروں کو دکھاؤ یا اور کچھ نہیں تو چھپے ہوئے زیوروں کی جھنکار ہی سنا کر انکی توجہ اپنی طرف مائل کرو۔ تم کو اپنی طرف سے تو اخفائے زینت کی اختیاری کوشش کرنی چاہیے۔ پھر اگر کوئی چیز اضطراراً کھل جائے تو اس پر خدا تم سے کوئی مواخذہ نہ کرے گا۔ تم جن کپڑوں میں زینت کو چھپاؤ گی وہ تو بہرحال ظاہر ہی ہوں گے۔ تمہارا قد و قامت، تناسب جسمانی، ڈیل ڈول تو ان میں سے محسوس ہی ہوگا۔ کسی ضرورت یا کام کاج کے لیے کبھی ہاتھ یا چہرے کا کوئی حصہ تو کھولنا ہی پڑے گا۔ کوئی حرج نہیں اگر ایسا ہو۔ تمہاری نیت اس کے اظہار کی نہیں۔ تم اسکے اظہار پر مجبور ہو۔ اگر ان چیزوں سے بھی کوئی کمینہ لذت لیتا ہے تو لیا کرے۔ اپنی بدنیتی کی سزا وہ خود بھگتے گا۔ جتنی ذمہ داری تمدن اور اخلاق کی خاطر تم پر ڈالی گئی تھی اس کو تم نے اپنی حد تک پورا کر دیا۔

[1] اجنبیوں میں زینت کے ساتھ ناز و انداز سے چلنے والی عورت ایسی ہے جیسے روز قیامت کی تاریکی کہ اس میں کوئی نور نہیں۔

(ترمذی، باب ماجاء فی کراہیۃ خروج النساء فی الزینۃ)

یہ ہے صحیح مفہوم اس آیت کا۔ مفسرین کے درمیان اسکے مفہوم میں جتنے اختلافات ہیں، ان سب پر جب آپ غور کرینگے تو معلوم ہوگا کہ تمام اختلافات کے باوجود انکے اقوال کا مفاد وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔

ابن مسعود، ابراہیم نخعی اور حسن بصری کے نزدیک زینت ظاہرہ سے مراد وہ کپڑے ہیں جن میں زینت باطنہ کو چھپایا جاتا ہے۔

ابن عباس، مجاہد، عطاء، ابن عمر، انس، ضحاک، سعید بن جبیر، اوزاعی اور علمائے حنفیہ کے نزدیک اس سے مراد چہرہ اور ہاتھ ہیں اور وہ اسباب زینت بھی اسی استثناء میں داخل ہیں جو چہرے اور ہاتھ میں عادتاً ہوتے ہیں، مثلاً ہاتھ کی حنا اور انگوٹھی اور آنکھوں کا سرمہ وغیرہ۔

سعید بن المسیب کے نزدیک صرف چہرہ مستثنیٰ ہے اور ایک قول حسن بصری سے بھی ان کی تائید میں منقول ہے۔

حضرت عائشہ چہرہ چھپانے کی طرف مائل ہیں۔ ان کے نزدیک زینت ظاہرہ سے مراد ہاتھ اور چوڑیاں کنگن اور انگوٹھیاں ہیں۔

مِسوَر بن مَخرَمہ اور قتادہ ہاتھوں کو انکی زینت سمیت کھولنے کی اجازت دیتے ہیں مگر چہرے کے باب میں ان کے اقوال سے ایسا متبادر ہوتا ہے کہ پورے چہرے کے بجائے وہ صرف آنکھیں کھولنے کو جائز رکھتے ہیں[1]۔

ان اختلافات کے منشاء پر غور کیجیے۔ ان سب مفسرین نے الا ما ظہر منھا سے یہی سمجھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی زینت کو ظاہر کرنے کی اجازت دیتا ہے جو اضطراراً ظاہر ہو جائے یا جسکو ظاہر کرنے کی ضرورت پیش آجائے۔ چہرے اور ہاتھوں کی نمائش اور انکو مطمح انظار بنانا ان میں سے کسی کا بھی مقصود نہیں۔ ہر ایک نے اپنے فہم اور عورتوں کی ضروریات کے لحاظ سے یہ سمجھنے کی کوشش کی ہے کہ ضرورت کس حد تک کس چیز

[1] یہ تمام اقوال تفسیر ابن جریر اور علامہ جصاص کی احکام القرآن سے ماخوذ ہیں۔

کو بے حجاب کرنے کے لیے داعی ہوتی ہے یا کیا چیز اضطراراً کھل سکتی ہے یا عادتاً کھلتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ (لا ماظھر منھا کو ان میں سے کسی چیز کے ساتھ بھی مقید نہ کیجیے۔ ایک مومن عورت جو خدا اور رسول کے احکام کی سچے دل سے پابند رہنا چاہتی ہے، اور جس کو فتنے میں مبتلا ہونا منظور نہیں ہے وہ خود اپنے حالات اور ضروریات کے لحاظ سے فیصلہ کر سکتی ہے کہ چہرہ اور ہاتھ کھولے یا نہیں، کب کھولے اور کب نہ کھولے، کس حد تک کھولے اور کس حد تک چھپائے۔ اس باب میں قطعی احکام نہ شارع نے دیے ہیں، نہ اختلافِ احوال و ضروریات کو دیکھتے ہوئے یہ مقتضائے حکمت ہے کہ قطعی احکام وضع کیے جائیں۔ جو عورت اپنی حاجات کے لیے باہر جانے اور کام کاج کرنے پر مجبور ہے اسکو کسی وقت ہاتھ بھی کھولنے کی ضرورت پیش آئیگی اور چہرہ بھی۔ ایسی عورت کے لیے بلحاظ ضرورت اجازت ہے۔ اور جس عورت کا حال یہ نہیں ہے اسکے لیے بلا ضرورت قصداً کھولنا درست نہیں۔

پس شارع کا مقصد یہ ہے کہ اپنا حسن دکھانے کے لیے اگر کوئی چیز بے حجاب کی جائے تو یہ گناہ ہے، خود بخود بلا ارادہ کچھ ظاہر ہو جائے تو کوئی گناہ نہیں، حقیقی ضرورت اگر کچھ کھولنے پر داعی ہو تو اس کا کھولنا بالکل جائز ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ اختلاف احوال سے قطع نظر کر کے نفس چہرہ کا کیا حکم ہے؟ شارع اسکے کھولنے کو پسند کرتا ہے یا ناپسند؟ اسکے اظہار کی اجازت محض ناگزیر ضرورت کے طور پر دی گئی ہے یا اس کے نزدیک چہرہ غیروں سے چھپانے کی چیز ہی نہیں؟ ان سوالات پر سورۂ احزاب والی آیت میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

چہرے کا حکم سورۂ احزاب کی جس آیت کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، اسکے الفاظ یہ ہیں:۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ	اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں
بَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ	سے کہدو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا
مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ	کریں۔ اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ پہچان لی

يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ - (رکوع ۸) - جائینگی اور انہیں ستایا نہ جائیگا۔

یہ آیت خاص چہرے کو چھپانے کے لیے ہے۔ جلابیب جمع جلباب کی جسکے معنی چادر کے ہیں۔ اِدناء کے معنی ارخاء یعنی لٹکانے کے ہیں۔ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ "اپنے اوپر اپنی چادروں میں سے ایک حصہ لٹکا لیا کریں"۔ یہی مفہوم گھونگھٹ ڈالنے کا ہے مگر دراصل مقصود وہ خاص وضع نہیں ہے جس کو عرف عام میں گھونگھٹ سے تعبیر کیا جاتا ہے، بلکہ چہرے کو چھپانا مقصود ہے، خواہ گھونگھٹ سے چھپایا جائے یا نقاب سے یا کسی اور طریقہ سے۔ اس کا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ جب مسلمان عورتیں اس طرح مستور ہو کر باہر نکلینگی تو لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ شریف عورتیں ہیں بے حیا نہیں ہیں، اس لیے کوئی ان سے تعرض نہ کریگا۔

قرآن مجید کے تمام مفسرین نے اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عباس اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:-

"اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت سے نکلیں تو سر کے اوپر سے اپنی چادروں کے دامن لٹکا کر اپنے چہروں کو ڈھانک لیا کریں"۔ (تفسیر ابن جریر جلد ۲۲ - صفحہ ۲۹)

امام محمد بن سیرینؒ نے حضرت عبیدہ بن سفیان بن الحارث الحضرمیؒ سے دریافت کیا کہ اس حکم پر عمل کرنیکا کیا طریقہ ہے؟ انہوں نے خود چادر اوڑھ کر بتایا اور اپنی پیشانی اور ناک اور ایک آنکھ کو چھپا کر صرف ایک آنکھ کھلی رکھی (تفسیر ابن جریر حوالۂ مذکور - احکام القرآن جلد سوم صفحہ ۷۵۴)

علامہ ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

"اے نبی! اپنی بیویوں بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدو کہ جب اپنے گھروں سے کسی حاجت کے لیے نکلیں تو لونڈیوں کے سے لباس نہ پہنیں کہ سر اور چہرے کھلے ہوئے ہوں بلکہ وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں تاکوئی فاسق ان سے تعرض نہ کر سکے اور سب جان لیں کہ وہ شریف عورتیں ہیں"۔ (تفسیر ابن جریر حوالۂ مذکور)

علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں :۔

"یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جوان عورت کو اجنبیوں سے چہرہ چھپانے کا حکم ہے اور اسے گھر سے نکلتے وقت پردہ داری اور عفت مآبی کا اظہار کرنا چاہیے تاکہ بدنیت لوگ اس کے حق میں طمع نہ کرسکیں (احکام القرآن جلد سوم - صفحہ ۴۵۸)

علامہ نیشاپوری اپنی تفسیر غرائب القرآن میں لکھتے ہیں :۔

"ابتدائے عہد اسلام میں عورتیں زمانۂ جاہلیت کی طرح محض قمیض اور دوپٹے کے ساتھ نکلتی تھیں اور شریف عورتوں کا لباس ادنیٰ طبقہ کی عورتوں سے مختلف نہ تھا۔ پھر حکم دیا گیا کہ وہ چادریں اوڑھیں اور اپنے سر اور چہروں کو چھپائیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ شریف عورتیں ہیں، فاحشہ نہیں ہیں" (تفسیر غرائب القرآن برحاشیہ ابن جریر جلد ۲۲ - صفحہ ۳۲)

امام رازی لکھتے ہیں :۔

"جاہلیت میں اشراف کی عورتیں اور لونڈیاں سب کھلی پھرتی تھیں اور بدکار لوگ ان کا پیچھا کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے شریف عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اوپر چادریں ڈالیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ تو اسکے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس لباس سے پہچان لیا جائیگا کہ وہ شریف عورتیں ہیں اور ان کا پیچھا نہ کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اس سے معلوم ہو جائیگا کہ وہ بدکار نہیں ہیں۔ کیونکہ جو عورت اپنا چہرہ چھپائے گی، در اں حالیکہ چہرہ "عورت"[1] نہیں ہے جس کا چھپانا فرض ہو، تو کوئی شخص اس سے یہ توقع نہ کرے گا کہ وہ عورت کشفِ "عورت" پر آمادہ ہوگی۔ پس اس لباس سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ وہ ایک پردہ دار عورت ہے اور اس سے

[1] "عورت" اصطلاح میں جسم کے اس حصہ کو کہتے ہیں جسکو بیوی یا شوہر کے سوا ہر ایک سے چھپانے کا حکم ہے۔ مرد کے جسم کا بھی وہ حصہ جو ناف اور گھٹنے کے درمیان ہے، اس معنی میں عورت ہی ہے۔

بدکاری کی توقع نہ کی جاسکے گی" (تفسیر کبیر، جلد ۶ - صفحہ ۵۹۱)

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں :-

"يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ - یعنی جب وہ اپنی حاجات کے لیے باہر نکلیں تو اپنی چادروں سے اپنے چہروں اور اپنے جسموں کو چھپالیں۔ یہاں لفظ مِنْ تبعیض کے لیے ہے۔ یعنی چادروں کے ایک حصہ کو منہ پر ڈالا جائے اور ایک حصہ کو جسم پر لپیٹ لیا جائے۔ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ - یعنی اس سے اُن کے اور لونڈیوں اور مغنیات کے درمیان تمیز ہو جائیگی۔ فَلَا يُؤْذَيْنَ اور مشتبہ چال چلن کے لوگ اُن سے تعرض کی جرأت نہ کر سکیں گے۔" (تفسیر بیضاوی جلد ۴ - صفحہ ۱۶۸)

ان اقوال سے ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام کے مبارک دور سے لے کر آٹھویں صدی تک ہر زمانہ میں اس آیت کا ایک ہی مفہوم سمجھا گیا ہے، اور وہ وہی مفہوم ہے جو اس کے الفاظ سے ہم نے سمجھا ہے۔ اس کے بعد احادیث کی طرف رجوع کیجیے تو وہاں بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد سے عہد نبوی میں عام طور پر مسلمان عورتیں اپنے چہروں پر نقاب ڈالنے لگی تھیں، اور کھلے چہروں کے ساتھ پھرنے کا رواج بند ہو گیا تھا۔ ابوداؤد، ترمذی، مؤطا، اور دوسری کتبِ حدیث میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو حالت احرام میں چہرے پر نقاب ڈالنے اور دستانے پہننے سے منع فرما دیا تھا (المحرمة لا تنتقب ولا تلبس القفازين۔ ونهى النساء فى احرامهن عن القفازين والنقاب)۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اس عہد مبارک میں چہروں کو چھپانے کے لیے نقاب اور ہاتھوں کے چھپانے کے لیے دستانوں کا عام رواج ہو چکا تھا۔ صرف احرام کی حالت میں اس سے منع کیا گیا۔ مگر اس سے بھی یہ مقصد نہ تھا کہ حج میں چہرے منظر عام پر پیش کیے جائیں، بلکہ دراصل مقصد یہ تھا کہ احرام کی فقیرانہ وضع میں نقاب عورت کے لباس کا ایک جزو نہ ہو جس طرح عام طور پر ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسری احادیث میں تصریح کی گئی ہے کہ حالت احرام میں بھی ازواج مطہرات اور عام خواتین اسلام اپنے چہروں کو اجانب سے

چھپاتی تھیں۔ ابوداؤد میں ہے :-

عن عائشۃ قالت کان الرکبان یمرون بنا ونحن مع رسول اللہ صلعم محرمات فاذا حاذوا بنا سدلت احدٰنا جلبابھا من رأسھا علی وجھھا فاذا جاوزونا کشفناہ (باب فی المحرمۃ تغطی وجھھا)۔	حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سوار ہمارے قریب سے گذرتے تھے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حالت احرام میں تھیں۔ پس جب وہ لوگ ہمارے مقابل آجاتے تو ہم اپنی چادریں اپنے سروں کی طرف سے اپنے چہروں پر ڈال لیتیں اور جب وہ گذر جاتے تو منہ کھول لیتی تھیں۔

مؤطّا امام مالک میں ہے :-

عن فاطمہ بنت المنذر قالت کنا نخمر وجوھنا ونحن محرمات ونحن مع اسماء بنت ابی بکر الصدیق فلا تنکرہ علینا (باب تخمیر المحرم وجھہ)	فاطمہ بنت منذر کا بیان ہے کہ ہم حالت احرام میں اپنے چہروں پر کپڑا ڈال لیا کرتی تھیں۔ ہمارے ساتھ حضرت ابوبکر کی صاحبزادی حضرت اسماء تھیں انہوں نے ہم کو اس سے منع نہیں کیا۔

فتح الباری، کتاب الحج میں حضرت عائشہ کی ایک اور روایت ہے :-

تسدل المرأۃ جلبابھا من فوق رأسھا علی وجھھا۔	عورت حالت احرام میں اپنی چادر اپنے سر پر سے چہرے پر لٹکالے۔

نقاب جو شخص آیت قرآنی کے الفاظ، اور ان کی مقبول عام اور مجمع علیہ تفسیر، اور عہد نبوی صلعم کے تعامل کو دیکھے گا اس کے لیے اس حقیقت سے انکار کی مجال باقی نہ رہے گی کہ شریعت اسلامیہ میں عورت کے لیے چہرے کو اجانب سے مستور رکھنے کا حکم ہے، اور اس پر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے عمل کیا جارہا ہے۔ نقاب اگر لفظاً نہیں تو معنیً وحقیقۃً خود قرآن عظیم کی تجویز کردہ چیز ہے۔ جس ذات

مقدس پر قرآن نازل ہوا تھا اسکی آنکھوں کے سامنے خواتین اسلام نے اس چیز کو اپنے خارج البیت لباس کا جزو بنایا تھا، اور اس زمانہ میں بھی اس چیز کا نام "نقاب" ہی تھا۔

جی ہاں! یہ وہی "نقاب" (ملنہ ۷) ہے جس کو یورپ انتہا درجہ کی مکروہ اور گھناؤنی چیز سمجھتا ہے، جس کا محض تصور ہی فرنگی ضمیر پر ایک بارِ گراں ہے، جس کو ظلم اور تنگ خیالی اور وحشت کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔ ہاں! یہ وہی چیز ہے جس کا نام کسی مشرقی قوم کی جہالت اور تمدنی پسماندگی کے ذکر میں سب سے پہلے لیا جاتا ہے، اور جب یہ بیان کرنا ہوتا ہے کہ کوئی مشرقی قوم تمدن و تہذیب میں ترقی کر رہی ہے تو سب سے پہلے جس بات کا ذکر بڑے انشراح و انبساط کے ساتھ کیا جاتا ہے وہ یہی ہے کہ اس قوم سے "نقاب" رخصت ہو گئی ہے۔ اب شرم سے سر جھکا لیجیے کہ یہ چیز بعد کی ایجاد نہیں، خود قرآن نے اس کو ایجاد کیا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کو رائج کر گئے ہیں۔ مگر محض سر جھکانے سے کام نہ چلے گا۔ شترمرغ اگر شکاری کو دیکھ کر ریت میں سر چھپالے تو شکاری کا وجود باطل نہیں ہو جاتا۔ آپ بھی اپنا سر جھکائیں گے تو سر ضرور جھک جائیگا، مگر قرآن کی آیت نہ مٹے گی، نہ تاریخ کے ثابت شدہ واقعات محو ہو جائیں گے۔ تاویلات سے اس پر پردہ ڈالیے گا تو یہ "شرم کا داغ" اور زیادہ چمک اٹھے گا۔ جب وحیِ مغربی پر ایمان لا کر آپ اس کو "شرم کا داغ" مان ہی چکے ہیں، تو اس کو دور کرنے کی اب ایک ہی صورت ہے، اور وہ یہ ہے کہ اُس اسلام ہی سے اپنی براءت کا اعلان فرما دیں جو نقاب، گھونگھٹ، ستر وجوہ جیسی "گھناؤنی" چیز کا حکم دیتا ہے۔ آپ ہیں "ترقی" کے خواہشمند۔ آپ کو درکار ہے "تہذیب"۔ آپ کے لیے وہ مذہب کیسے قابلِ اتباع ہو سکتا ہے جو خواتین کو شمعِ انجمن بننے سے روکتا ہو، حیا اور پردہ داری، اور عفت مآبی کی تعلیم دیتا ہو، گھر کی ملکہ کو اہلِ خانہ کے سوا ہر ایک کے لیے قرۃ العین بننے سے منع کرتا ہو۔ بھلا ایسے مذہب میں "ترقی" کہاں! ایسے مذہب کو "تہذیب" سے کیا واسطہ! "ترقی" اور "تہذیب" کے لیے تو ضروری ہے کہ عورت ـــ نہیں، لیڈی صاحبہ ـــ باہر نکلنے سے پہلے دو گھنٹے تک تمام مشاغل سے دست کش ہو کر

اپنی تزئین و آرائش میں مشغول ہوں، تمام جسم کو معطر کریں، رنگ اور وضع کی مناسبت سے انتہا درجہ کا جاذب نظر لباس زیب تن فرمائیں، مختلف قسم کے غازوں سے چہرے اور باہنوں کی تنویر بڑھائیں، ہونٹوں کو لپ سٹک سے مزین کریں، کمان ابرو کو درست اور آنکھوں کو تیر اندازی کے لیے چست کرلیں، اور ان سب کرشموں سے مسلح ہوکر گھر سے باہر نکلیں تو شان یہ ہو کہ ہر کرشمہ دامن دل کو کھینچ کھینچ کر "جا ایں جا است" کی صدا لگا رہا ہو! پھر اس سے بھی ذوق خود آرائی کی تسکین نہ ہو تو آئینہ اور سنگھار کا سامان ہر وقت ساتھ رہے۔ تاکہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسباب زینت کے خفیف ترین نقصانات کی بھی تلافی کی جاتی رہے۔

جیساکہ ہم بار بار کہہ چکے ہیں اسلام اور مغربی تہذیب کے مقاصد میں بعد المشرقین ہے اور وہ شخص سخت غلطی کرتا ہے جو مغربی نقطۂ نظر سے اسلامی احکام کی تعبیر کرتا ہے۔ مغرب میں اشیاء کی قدر و قیمت کا جو معیار ہے، اسلام کا معیار اس سے بالکل مختلف ہے۔ مغرب جن چیزوں کو نہایت اہم اور مقصود حیات سمجھتا ہے، اسلام کی نگاہ میں ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ اور اسلام جن چیزوں کو اہمیت دیتا ہے مغرب کی نگاہ میں وہ بالکل بے قیمت ہیں۔ اب جو شخص مغربی معیار کا قائل ہے، اس کو تو اسلام کی ہر چیز قابل ترمیم ہی نظر آئیگی۔ وہ اسلامی احکام کی تعبیر کرنے بیٹھے گا تو ان کی تحریف کر ڈالیگا۔ اور تحریف کے بعد بھی ان کو اپنی زندگی میں کسی طرح نصب نہ کرسکیگا، کیونکہ قدم قدم پر قرآن اور سنت کی تصریحات اس کی مزاحمت کرینگی۔ ایسے شخص کو عملی طریقوں کے جزئیات پر نظر ڈالنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ جن مقاصد کے لیے ان طریقوں کو اختیار کیا گیا ہے وہ خود کہاں تک قابلِ قبول ہیں۔ اگر وہ مقاصد ہی سے اتفاق نہیں رکھتا تو حصول مقاصد کے طریقوں پر بحث کرنے اور ان کو مسخ اور محرّف کرنے کی فضول زحمت ہی کیوں اٹھائے؟ کیوں نہ اس مذہب کو چھوڑ دے جس کے مقاصد کو وہ غلط سمجھتا ہے؟ اور اگر اسے مقاصد سے اتفاق ہے تو بحث صرف اس میں رہ جاتی ہے کہ ان مقاصد کے لیے جو عملی طریقے تجویز کیے گئے ہیں وہ مناسب ہیں یا نامناسب۔ اور اس بحث کو بآسانی طے کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ طریقہ صرف شریف لوگ ہی اختیار کرسکتے ہیں۔ رہے منافقین، تو

وہ خدا کی پیدا کی ہوئی مخلوقات میں سب سے ارذل مخلوق ہیں۔ ان کو یہی زیب دیتا ہے کہ دعویٰ ایک چیز پر اعتقاد رکھنے کا کریں اور درحقیقت اعتقاد دوسری چیز پر رکھیں۔

نقاب اور برقع کے مسئلہ میں جس قدر بحثیں کی جارہی ہیں وہ دراصل اسی نفاق پر مبنی ہیں۔ ایڑی سے چوٹی تک کا زور یہ ثابت کرنے میں صرف کیا گیا ہے کہ پردے کی یہ صورت اسلام سے پہلے کی قوموں میں رائج تھی اور جاہلیت کی یہ میراث عہد نبوی کے بہت مدت بعد مسلمانوں میں تقسیم ہوئی۔ قرآن کی ایک صریح آیت اور عہد نبوی کے ثابت شدہ تعامل اور صحابہ و تابعین کی تشریحات کے مقابلہ میں تاریخی تحقیقات کی یہ زحمت آخر کیوں اٹھائی گئی؟ صرف اس لیے کہ زندگی کے وہ مقاصد پیش نظر تھے اور ہیں جو مغرب میں مقبولِ عام ہیں "ترقی" اور "تہذیب" کے وہ تصورات ذہن نشین ہو گئے ہیں جو اہلِ مغرب سے نقل کیے گئے ہیں۔ چونکہ برقع اوڑھنا اور نقاب ڈالنا ان مقاصد کے خلاف ہے اور ان تصورات سے کسی طرح میل ہی نہیں کھاتا، لہٰذا تاریخی تحقیق کے زور سے اُس چیز کو مٹانے کی کوشش کی گئی جو اسلام کی کتاب آئین میں ثبت ہے۔ یہ کھلی ہوئی منافقت جو بہت سے مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی برتی گئی ہے، اس کی اصلی وجہ وہی بے اصولی اور عقل کی خفت اور اخلاقی جرأت کی کمی ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اتباع اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود قرآن کے مقابلہ میں تاریخ کو لا کر کھڑا کرنے کا خیال بھی ان کے ذہن میں نہ آتا۔ یا تو یہ اپنے مقاصد کو اسلام کے مقاصد سے بدل ڈالتے (اگر مسلمان رہنا چاہتے) یا علانیہ اس مذہب سے الگ ہو جاتے جو ان کے معیار ترقی کے لحاظ سے مانع ترقی ہے۔

جو شخص اسلامی قانون کے مقاصد کو سمجھتا ہے اور اس کے ساتھ کچھ عقل عام (Common sense) بھی رکھتا ہے اس کے لیے یہ سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ عورتوں کو کھلے چہروں کے ساتھ باہر پھرنے کی عام اجازت دینا اُن مقاصد کے بالکل خلاف ہے جن کو اسلام اس قدر اہمیت دے رہا ہے۔ ایک انسان کو دوسرے انسان کی جو چیز سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے وہ اس کا چہرہ ہی تو ہے۔ انسان کی

خلقی و پیدائشی زینت، یا دوسرے الفاظ میں انسانی حسن کا سب سے بڑا مظہر چہرہ ہے۔ نگاہوں کو سب سے زیادہ وہی کھینچتا ہے۔ جذبات کو سب سے زیادہ وہی اپیل کرتا ہے۔ صنفی جذب و انجذاب کا سب سے زیادہ قوی ایجنٹ وہی ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے نفسیات کے کسی گہرے علم کی بھی ضرورت نہیں۔ خود اپنے دل کو ٹٹولیے۔ اپنی آنکھوں سے فتویٰ طلب کیجیے۔ اپنے نفسی تجربات کا جائزہ لے کر دیکھ لیجیے۔ منافقت کی بات تو دوسری ہے۔ منافق اگر آفتاب کے وجود کو بھی اپنے مقصد کے خلاف دیکھے گا تو دن دہاڑے کہہ دیگا کہ آفتاب موجود نہیں۔ البتہ صداقت سے کام لیجیے گا تو آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ صنفی تحریک (Sex appeal) میں جسم کی ساری زینتوں سے زیادہ حصہ اُس فطری زینت کا ہے جو اللہ نے چہرے کی ساخت میں رکھی ہے۔ اگر آپ کو کسی لڑکی سے شادی کرنی ہو اور آپ اسے دیکھ کر آخری فیصلہ کرنا چاہتے ہوں، تو سچ بتایئے کہ کیا دیکھ کر آپ فیصلہ کرینگے؟ ایک شکل اس کے دیکھنے کی یہ ہوسکتی ہے کہ چہرے کے سوا وہ پوری کی پوری آپ کے سامنے ہو۔ دوسری شکل یہ ہوسکتی ہے کہ ایک جھروکے میں سے وہ صرف اپنا چہرہ دکھادے۔ بتایئے کہ دونوں شکلوں میں سے کون سی شکل کو آپ ترجیح دینگے؟ سچ بتایئے! کیا سارے جسم کی بہ نسبت چہرے کا حسن آپ کی نگاہ میں اہم تر نہیں ہے؟

اس حقیقت کے مسلم ہوجانے کے بعد آگے بڑھیے۔ اگر سوسائیٹی میں صنفی انتشار اور لامرکزی ہیجانات و تحریکات کو روکنا مقصود ہی نہ ہو، تب تو چہرہ کیا معنی، سینہ اور بازو اور پنڈلیاں اور رانیں سب ہی کچھ کھول دینے کی آزادی ہونی چاہیے جیسی کہ اس وقت مغربی تہذیب میں ہے۔ اس صورت میں ان حدود و قیود کی کوئی ضرورت ہی نہیں جو اسلامی قانونِ حجاب کے سلسلہ میں آپ اوپر سے دیکھتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن اگر اصل مقصد اسی طوفان کو روکنا ہو تو اس سے زیادہ خلافِ حکمت اور کیا بات ہوسکتی ہے کہ اس کو روکنے کے لیے چھوٹے چھوٹے دروازوں پر تو کنڈیاں چڑھائی جائیں اور سب سے بڑے دروازے کو چوپٹ کھلا چھوڑ دیا جائے۔

اب آپ سوال کر سکتے ہیں کہ جب ایسا ہے تو اسلام نے حاجات و ضروریات کے لیے چہرہ کھولنے کی اجازت کیوں دی جیسا کہ تم خود پہلے بیان کر چکے ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کا قانون کوئی غیر معتدل اور یک رُخا قانون نہیں ہے۔ وہ ایک طرف مصالح اخلاقی کا لحاظ کرتا ہے تو دوسری طرف انسانی ضروریات کا بھی لحاظ کرتا ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان اس نے غایت درجہ کا تناسب اور توازن قائم کیا ہے۔ وہ اخلاقی فتنوں کا سدِ باب بھی کرنا چاہتا ہے اور اسکے ساتھ کسی انسان پر ایسی پابندیاں بھی عائد کرنا نہیں چاہتا جن کے باعث وہ اپنی حقیقی ضروریات کو پورا نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے عورت کے لیے چہرے اور ہاتھ کے باب میں ویسے قطعی احکام نہیں دیے جیسے ستر پوشی اور اخفائے زینت کے باب میں دیے ہیں، کیونکہ ستر پوشی اور اخفائے زینت سے ضروریات زندگی کو پورا کرنے میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا، مگر چہرے اور ہاتھوں کو دائماً چھپائے رہنے سے عورتوں کو اپنی حاجات میں سخت مشکل پیش آسکتی ہے۔ پس عورتوں کے لیے عام قاعدہ یہ مقرر کیا گیا کہ چہرے پر نقاب یا گھونگھٹ ڈالے رہیں اور اس قاعدہ میں الا ما ظہر منہا کے استثناء سے یہ آسانی پیدا کر دی گئی کہ حقیقت میں چہرہ کھولنے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ اسکو کھول سکتی ہیں، بشرطیکہ نمائشِ حسن مقصود نہ ہو بلکہ رفع ضرورت مدِّ نظر ہو۔ پھر دوسری جانب سے فتنہ انگیزی کے جو خطرات تھے ان کا سدِ باب اس طرح کیا گیا کہ مردوں کو غضِّ بصر کا حکم دے دیا گیا تاکہ اگر کوئی عفت مآب عورت اپنی حاجت کے لیے چہرہ کھولے تو وہ اپنی نظریں نیچی کر لیں، اور بیہودگی کے ساتھ اس کو گھورنے سے باز رہیں۔

پردہ داری کے ان احکام پر آپ غور کرینگے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ اسلامی پردہ کوئی جاہلی رسم نہیں ہے، بلکہ ایک عقلی قانون ہے۔ جاہلی رسم ایک جامد چیز ہوتی ہے۔ جو طریقہ جس صورت سے رائج ہو گیا، کسی حال میں اس کے اندر تغیر نہیں کیا جا سکتا۔ جو چیز چھپا دی گئی وہ بس ہمیشہ کے لیے چھپا دی گئی اب مرتے مر جائیں مگر اس کا کھلنا غیر ممکن۔ بخلاف اس کے عقلی قانون میں لچک ہوتی ہے۔ اس میں احوال کے

لحاظ سے شدت اور تخفیف کی گنجائش ہوتی ہے۔ موقع و محل کے اعتبار سے اس کے عام قواعد میں استثنائی صورتیں رکھی جاتی ہیں۔ ایسے قانون کی پیروی اندھوں کی طرح نہیں کی جا سکتی۔ اس کے لیے عقل اور تمیز کی ضرورت ہے۔ سمجھ بوجھ رکھنے والا پیرو خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ کہاں اسکو عام قاعدے کی پیروی کرنی چاہیے، اور کہاں قانون کے نقطۂ نظر سے "حقیقی ضرورت" درپیش ہے جس میں استثنائی رخصتوں سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ پھر وہ خود ہی یہ رائے بھی قائم کر سکتا ہے کہ کس محل پر رخصت سے کس حد تک استفادہ کیا جائے، اور استفادہ کی صورت میں مقصد قانون کو کس طرح ملحوظ رکھا جائے۔ ان تمام امور میں درحقیقت ایک نیک نیت مومن کا قلب ہی سچا مفتی بن سکتا ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ استفت قلبك، ودع ما حاك فی صدرك (اپنے دل سے فتویٰ طلب کرو۔ اور جو چیز دل میں کھٹکے اس کو چھوڑ دو)۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی صحیح پیروی جہالت اور ناسمجھی کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ یہ عقلی قانون ہے اور اس کی پیروی کے لیے قدم قدم پر شعور اور فہم کی ضرورت ہے۔

باہر نکلنے کے قوانین

لباس اور ستر کے حدود مقرر کرنے کے بعد آخری حکم جو عورتوں کو دیا گیا ہے وہ یہ ہے :-

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ - (الاحزاب : ۴)

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ - (النور : ۴)

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ - (الاحزاب : ۴)

وقرن کی قرأت میں اختلاف ہے - عام قرّاء مدینہ اور بعض کوفیوں نے اسکو وَقَرْنَ بفتح قاف پڑھا ہے جس کا مصدر قرار ہے - اس لحاظ سے ترجمہ یہ ہوگا کہ "اپنے گھروں میں ٹھیری رہو یا جمی بیٹھی رہو" عام قرّاء کوفہ و بصرہ نے وَقِرْنَ بکسر قاف پڑھا ہے جس کا مصدر وقار ہے - اس لحاظ سے معنی یہ ہوں گے کہ "اپنے گھروں میں وقار اور سکینت کے ساتھ رہو"

تبرّج کے دو معنی ہیں - ایک زینت اور محاسن کا اظہار - دوسرے چلنے میں ناز و انداز دکھانا تبختر کرتے ہوئے چلنا، اٹھلانا، لچکے کھانا، جسم کو توڑنا، ایسی چال اختیار کرنا جس میں ایک ادا پائی جاتی ہو - آیت میں یہ دونوں معنی مراد ہیں - جاہلیت اولیٰ میں عورتیں خوب بن سنور کر نکلتی تھیں جس طرح دورِ جدید کی جاہلیت میں نکل رہی ہیں - پھر چال بھی قصداً ایسی اختیار کی جاتی تھی کہ ہر قدم زمین پر نہیں بلکہ دیکھنے والوں کے دلوں پر پڑے - مشہور تابعی و مفسر قرآن قتادہ بن دعامہ کہتے ہیں کہ کانت لھن مشیۃ وتکسر وتغنج فنھاھن اللہ عن ذلك - اس کیفیت کو سمجھنے کے لیے کسی تاریخی بیان کی حاجت نہیں - کسی ایسی سوسائٹی میں تشریف لے جائیے جہاں مغربی وضع کی خواتین تشریف لاتی ہوں،

جاہلیت اولیٰ کی تبرج والی چال آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اسلام اسی سے منع کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اول تو تمہاری صحیح جائے قیام تمہارا گھر ہے۔ بیرون خانہ کی ذمہ داریوں سے تم کو اسی لیے سبکدوش کیا گیا ہے کہ تم سکون ووقار کے ساتھ اپنے گھروں میں رہو اور خانگی زندگی کے فرائض ادا کرو۔ تاہم اگر ضرورت پیش آئے تو گھر سے باہر نکلنا بھی تمہارے لیے جائز ہے، لیکن نکلتے وقت پوری عصمت مآبی ملحوظ رکھو۔ نہ تمہارے لباس میں کوئی شان اور بھڑک ہونی چاہیے کہ نظروں کو تمہاری طرف مائل کرے۔ نہ اظہار حسن کے لیے تم میں کوئی بے تابی ہونی چاہیے کہ چلتے چلتے کبھی چہرے کی جھلک دکھاؤ اور کبھی ہاتھوں کی نمائش کرو۔ نہ چال میں کوئی خاص ادا پیدا کرنی چاہیے کہ نگاہوں کو خود بخود تمہاری طرف متوجہ کر دے۔ ایسے زیور بھی پہن کر نہ نکلو جن کی جھنکار غیروں کے لیے سامعہ نواز ہو۔ قصداً لوگوں کو سنانے کے لیے آواز نہ نکالو۔ ہاں اگر بولنے کی ضرورت پیش آئے تو بولو، مگر رس بھری آواز نکالنے کی کوشش نہ کرو۔ ان قواعد اور حدود کو ملحوظ رکھ کر اپنی حاجات کے لیے تم گھر سے باہر نکل سکتی ہو۔

یہ ہے قرآن کی تعلیم۔ آئیے اب حدیث پر نظر ڈال کر دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعلیم کے مطابق سوسائٹی میں عورتوں کے لیے کیا طریقے مقرر فرمائے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور انکی خواتین نے اس پر کس طرح عمل کیا۔

حاجات کے لیے گھر سے نکلنے کی اجازت

حدیث میں ہے کہ احکام حجاب نازل ہونے سے پہلے حضرت عمرؓ کا تقاضا تھا کہ یا رسول اللہ اپنی خواتین کو پردہ کرائیے۔ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رات کے وقت باہر نکلیں تو حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھ لیا اور پکار کر کہا کہ سودہ! ہم نے تم کو پہچان لیا۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح خواتین کا گھروں سے نکلنا ممنوع ہو جائے۔ اس کے بعد جب احکام حجاب نازل ہوئے تو حضرت عمرؓ کی بن آئی۔ انہوں نے عورتوں کے باہر نکلنے پر زیادہ روک ٹوک شروع کردی۔ ایک مرتبہ پھر حضرت سودہ کے ساتھ وہی صورت پیش آئی۔ وہ گھر سے نکلیں اور عمر رضی اللہ

عنہ نے ٹوکا۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے شکایت کی۔ حضورؐ نے فرمایا قد اذن اللہ لکن ان تخرجن لحوائجکن (اللہ نے تم کو اپنی ضروریات کے لیے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے)[۱]

اس سے معلوم ہوا کہ وَقَرْنَ فِی بُیُوْتِکُنَّ کے حکم قرآنی کا منشا یہ نہیں ہے کہ عورتیں گھر کے حدود سے کبھی قدم باہر نکالیں ہی نہیں۔ حاجات و ضروریات کے لیے ان کو نکلنے کی پوری اجازت ہے۔ مگر یہ اجازت نہ غیر مشروط ہے نہ غیر محدود۔ عورتیں اس کی مجاز نہیں ہیں کہ آزادی کے ساتھ جہاں چاہیں پھریں اور مردانہ اجتماعات میں گھل مل جائیں۔ حاجات و ضروریات سے شریعت کی مراد ایسی واقعی حاجات و ضروریات ہیں جن میں درحقیقت نکلنا اور باہر کام کرنا عورتوں کے لیے ناگزیر ہو۔ اب یہ ظاہر ہے کہ تمام عورتوں کے لیے تمام زمانوں میں نکلنے اور نہ نکلنے کی ایک ایک صورت بیان کرنا اور ہر ہر موقع کے لیے رخصت کے علیحدہ علیحدہ حدود مقرر کر دینا ممکن نہیں ہے۔ البتہ شارع نے زندگی کے عام حالات میں عورتوں کے لیے نکلنے کے جو قاعدے مقرر کیے تھے اور حجاب کے حدود میں جس طرح کمی وبیشی کی تھی اس سے قانون اسلامی کی اسپرٹ اور اس کے رجحان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور اسکو سمجھ کر انفرادی حالات اور جزئی معاملات میں حجاب کے حدود اور موقع و محل کے لحاظ سے ان کی کمی و بیشی کے اصول ہر شخص خود معلوم کر سکتا ہے۔ اس کی توضیح کے لیے ہم مثال کے طور پر چند مسائل بیان کرتے ہیں۔

مسجد میں آنے کی اجازت اور اس کے حدود

یہ معلوم ہے کہ اسلام میں سب سے اہم فرض نماز ہے، اور نماز میں حضورِ مسجد اور شرکت جماعت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ مگر نماز باجماعت کے باب میں جو احکام مردوں کے لیے ہیں اُن کے بالکل برعکس احکام عورتوں کے لیے ہیں۔ مردوں کے لیے وہ نماز افضل ہے جو مسجد میں جماعت کے ساتھ ہو۔ اور عورتوں کے لیے وہ نماز افضل ہے جو گھر میں انتہائی خلوت کی حالت میں ہو۔ امام

۱؎ یہ متعدد احادیث کا لب لباب ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم، باب اباحۃ الخروج للنساء لقضاء حاجۃ الانسان۔ بخاری: باب خروج النساء لحوائجھن و باب آیۃ الحجاب۔

احمد اور طبرانی نے ام حمید ساعدیہ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ :-

قالت یا رسول اللہ انی احب الصلوٰۃ معک قال قد علمت۔ صلوٰتکِ فی بیتکِ خیر لکِ من صلوٰتکِ فی حجرتکِ وصلوٰتکِ فی حجرتکِ خیر من صلوٰتکِ فی دارکِ وصلوٰتکِ فی دارکِ خیر من صلوٰتکِ فی مسجد قومکِ وصلوٰتکِ فی مسجد قومکِ خیر من صلوٰتکِ فی مسجد الجماعۃ۔

انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ نماز پڑھوں۔ حضور نے فرمایا مجھے معلوم ہے مگر تیرا ایک گوشہ میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تو اپنے کمرے میں نماز پڑھے۔ اور کمرے میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تو اپنے گھر کے دالان میں نماز پڑھے اور تیرا اپنے دالان میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تو اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھے۔ اور تیرا اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ مسجد جامع میں نماز پڑھے[1]

اسی مضمون کی حدیث ابوداؤد میں ابن مسعودؓ سے منقول ہے جس میں حضور نے فرمایا کہ :-

صلوٰۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلوٰتھا

عورت کا اپنی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے

[1] عورت کو اس قدر خلوت میں نماز پڑھنے کی ہدایت جس مصلحت سے دی گئی ہے اسکو خود عورتیں زیادہ بہتر سمجھ سکتی ہیں۔ مہینے میں چند روز ایسے آتے ہیں جن میں عورت کو مجبوراً نماز ترک کرنی پڑتی ہے اور اس طرح وہ بات ظاہر ہو جاتی ہے جسے کوئی حیادار عورت اپنے بھائی بہنوں پر بھی ظاہر کرنا پسند نہیں کرتی۔ بہت سی عورتیں اسی شرم کی وجہ سے تارک صلوٰۃ ہو جاتی ہیں۔ شارع نے اس بات کو محسوس کر کے ہدایت فرمائی کہ چھپ کر خلوت کے ایک گوشہ میں نماز پڑھا کرو تاکہ کسی کو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ تم کب نماز پڑھتی ہو اور کب چھوڑ دیتی ہو۔ مگر یہ صرف ہدایت ہے تاکیدی حکم نہیں ہے۔ عورتیں گھر میں اپنی الگ جماعت کر سکتی ہیں اور عورت ان کی امامت کر سکتی ہے۔ اُم ورقہ بنت نوفل کو آنحضرتؐ نے اجازت دی تھی کہ عورتوں کی امامت کریں (ابوداؤد)۔ دارقطنی اور بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے عورتوں کی امامت کی اور صف کے بیچ میں کھڑی ہو کر نماز پڑھائی۔

فی حجرتہا وصلوٰتہا فی مخدعہا افضل من صلوٰتہا فی بیتہا (باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد)

کہ وہ اپنے کمرے میں نماز پڑھے۔ اور اس کا اپنے چور خانہ میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنی کوٹھری میں نماز پڑھے۔

دیکھیے یہاں ترتیب بالکل الٹ گئی ہے۔ مرد کے لیے سب سے ادنیٰ درجہ کی نماز یہ ہے کہ وہ ایک گوشۂ تنہائی میں پڑھے، اور سب سے افضل یہ کہ وہ بڑی سے بڑی جماعت میں شریک ہو۔ مگر عورت کے لیے اس کے برعکس انتہائی خلوت کی نماز میں فضیلت ہے، اور اس خفیہ نماز کو نہ صرف نماز باجماعت پر ترجیح دی گئی ہے، بلکہ اُس نماز سے بھی افضل کہا گیا ہے جس سے بڑھ کر کوئی نعمت مسلمان کے لیے ہو ہی نہیں سکتی تھی یعنی مسجد نبوی کی جماعت جس کے امام خود امام الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آخر اس فرق و امتیاز کی وجہ کیا ہے؟ یہی نا کہ شارع نے عورت کے باہر نکلنے کو پسند نہیں کیا، اور جماعت میں ذکور و اناث کے خلط ملط ہونے کو روکنا چاہا۔

مگر نماز ایک مقدس عبادت ہے، اور مسجد ایک پاک مقام ہے۔ شارع حکیم نے اختلاط صنفین کو روکنے کے لیے اپنے منشار کا اظہار تو فضیلت اور عدم فضیلت کی تفریق سے کر دیا۔ مگر ایسے پاکیزہ کام کے لیے ایسی پاک جگہ آنے سے عورتوں کو منع نہیں کیا۔ حدیث میں یہ اجازت جن الفاظ کے ساتھ آئی ہے وہ شارع کی بے نظیر حکیمانہ شان پر دلالت کرتے ہیں۔ فرمایا۔

لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ۔ اذا استاذنت امرأۃ احدکم الی المسجد فلا یمنعہا۔ (بخاری و مسلم)

خدا کی لونڈیوں کو خدا کی مسجدوں میں آنے سے منع نہ کرو جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت مانگے تو وہ اس کو منع نہ کرے۔

لا تمنعوا نساءکم المساجد وبیوتہن خیر لہن (ابوداؤد)

اپنی عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو مگر ان کے گھران کے لیے زیادہ بہتر ہیں۔

یہ الفاظ خود ظاہر کر رہے ہیں کہ شارع عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکتا تو نہیں ہے، کیونکہ مسجد میں نماز کے لیے جانا کوئی برا فعل نہیں جس کو ناجائز قرار دیا جاسکے۔ مگر مصالح اسکی بھی مقتضی نہیں کہ مساجد میں ذکور و اناث کی جماعت مخلوط ہو جائے۔ لہٰذا ان کو آنے کی اجازت تو دے دی، مگر یہ نہیں فرمایا کہ اپنی عورتوں کو مسجدوں میں بھیجو، یا اپنے ساتھ لایا کرو، بلکہ صرف یہ کہا کہ اگر وہ افضل نماز کو چھوڑ کر ادنیٰ درجہ کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آنا ہی چاہیں اور اجازت مانگیں تو منع نہ کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو روح اسلام کے بڑے راز داں تھے اشارع کی اس حکمت کو خوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ مؤطا میں مذکور ہے کہ انکی بیوی عاتکہ بنت زید سے ہمیشہ اس معاملہ میں انکی کشمکش رہا کرتی تھی۔ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ وہ مسجد میں جائیں۔ مگر انھیں جانے پر اصرار تھا۔ وہ اجازت مانگتیں تو آپ ٹھیک ٹھیک حکم نبوی پر عمل کرکے بس خاموش ہو جاتے۔ مطلب یہ تھا کہ ہم تمہیں روکتے نہیں ہیں، مگر صاف صاف اجازت بھی نہ دینگے۔ وہ بھی اپنی بات کی پکی تھیں۔ کہا کرتی تھیں کہ خدا کی قسم میں جاتی رہونگی جب تک کہ آپ صاف الفاظ میں منع نہ کرینگے۔[۱]

مسجد میں آنے کی شرائط حضور نے مساجد کی اجازت دینے کے ساتھ چند شرائط بھی مقرر کر دی گئیں۔ ان میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ دن کے اوقات میں مسجد نہ جائیں، بلکہ صرف ان نمازوں میں شریک ہوں جو اندھیرے میں پڑھی جاتی ہیں، یعنی عشاء اور فجر۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلعم ائذنوا النساء بالليل الى المساجد۔ — ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا عورتوں کو رات کے وقت مسجدوں میں آنے دو۔

(ترمذی، باب خروج النساء الى المسجد) وفی ھذا المعنیٰ حدیث اخرجہ البخاری فی باب خروج النساء الی المساجد بالليل والغلس۔

---

[۱] یہ حال صرف حضرت عمرؓ ہی کی بیوی کا نہ تھا بلکہ عہد نبوی میں بکثرت عورتیں نماز باجماعت کے لیے مسجد جایا کرتی تھیں۔ ابو داؤد میں ہے کہ مسجد نبوی میں بسا اوقات عورتوں کی دو دو صفیں ہو جاتی تھیں (باب ما یکرہ من ذکر الرجل ما یکون من اصابتہ اہلہ)

وقال نافع مولیٰ ابن عمر وکان اختصاص	حضرت ابن عمر کے شاگرد خاص حضرت نافع کہتے ہیں کہ رات کی
اللیل بذالک لکونہٖ استر واخفیٰ ۔	تخصیص اس لیے کی کہ رات کی تاریکی میں اچھی طرح پردہ داری ہو سکتی ہے ۔
عن عائشۃ قالت کان رسول اللّٰہ صلعم	حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح
لیصلی الصبح فینصرف النساء متلففات	کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ جب عورتیں نماز کے
بمروطھن ما یعرفن من الغلس۔[1]	بعد اپنی اوڑھنیوں میں لپٹی ہوئی گذرتیں تو تاریکی

کی وجہ سے پہچانی نہ جاتیں ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مسجد میں زینت کے ساتھ نہ آئیں، نہ خوشبو لگا کر آئیں ۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور مسجد میں تشریف فرما تھے کہ قبیلہ مزینہ کی ایک بہت بنی سنوری ہوئی عورت بڑے ناز و تبختر کے ساتھ چلتی ہوئی آئی ۔ حضور نے فرمایا لوگو ! اپنی عورتوں کو زینت اور تبختر کے ساتھ مسجد میں آنے سے روکو۔[2] خوشبو کے متعلق فرمایا کہ جب رات تم کو نماز میں شریک ہونا ہو اس رات کو کسی قسم کا عطر لگا کر نہ آؤ، نہ بخور استعمال کرو۔ بالکل سادہ لباس میں آؤ۔ جو عورت خوشبو لگا کر آگئی اسکی نماز نہ ہوگی۔[3]

---

[1] ترمذی، باب التغلیس فی الفجر۔ اسی مضمون کی احادیث بخاری (باب وقت الفجر) مسلم (باب استحباب التبکیر بالصبح فی اول وقتھا) ابو داؤد (باب وقت الصبح) اور دوسری مستندات میں مروی ہیں ۔ اس کے ساتھ یہ بھی کتب حدیث میں موجود ہے کہ نماز پڑھانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مرد نمازی بیٹھے رہتے تھے تاکہ عورتیں اٹھکر چلی جائیں ۔ اسکے بعد آپ اور سب لوگ کھڑے ہوتے تھے۔ ملاحظہ ہو بخاری، باب صلوٰۃ النساء خلف الرجال ۔ ابو داؤد، باب انصراف النساء قبل الرجال عن الصلوٰۃ

[2] ابن ماجہ، باب فتنۃ النساء ۔

[3] ملاحظہ ہو مؤطا، باب خروج النساء الی المساجد ۔ مسلم، باب خروج النساء الی المسجد۔ ابن ماجہ، باب فتنۃ النساء۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عورتیں جماعت میں مردوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہوں اور نہ آگے کی صفوں میں آئیں۔ انھیں مردوں کی صفوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہیے۔ فرمایا کخیر صفوف الرجال اولہا وشرھا اٰخرھا وخیر صفوف النساء اٰخرھا وشرھا اولھا "مردوں کے لیے بہترین مقام آگے کی صفوں میں ہے اور بدترین مقام پیچھے کی صفوں میں، اور عورتوں کے لیے بہترین مقام پیچھے کی صفوں میں ہے اور بدترین مقام آگے کی صفوں میں"۔[۱] جماعت کے باب میں حضور نے یہ قاعدہ ہی مقرر کر دیا تھا کہ عورت اور مرد پاس پاس کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھیں، خواہ وہ شوہر اور بیوی، یا ماں اور بیٹے ہی کیوں نہ ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میری نانی مُلیکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی۔ کھانے کے بعد آپ نماز کے لیے اٹھے۔ میں اور یتیم (غالباً حضرت انس کے بھائی کا نام تھا) حضور کے پیچھے کھڑے ہوئے اور مُلیکہ ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں۔[۲] حضرت انس کی دوسری روایت ہے کہ حضور نے ہمارے گھر میں نماز پڑھی۔ میں اور یتیم آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور میری ماں ام سلیم ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں۔[۳] حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور نماز کے لیے اٹھے۔ میں آپ کے پہلو میں کھڑا ہوا اور حضرت عائشہ ہمارے پیچھے کھڑی ہوئیں۔[۳]

چوتھی شرط یہ ہے کہ عورتیں نماز میں آواز بلند نہ کریں۔ قاعدہ یہ مقرر کیا گیا ہے کہ اگر نماز میں امام کو کسی چیز پر متنبہ کرنا ہو تو مرد سبحان اللہ کہیں اور عورتیں دستک دیں۔[۴]

ان تمام حدود و قیود کے باوجود جب حضرت عمر کو جماعت میں ذکور و اناث کے خلط ملط ہونے کا

۱؎ ترمذی۔ باب ما جاء فی الرجل یصلی و معہ رجال و نساء۔

۲؎ بخاری۔ باب المرأۃ وحدہا تکون صفاً۔

۳؎ نسائی۔ باب موقف الامام اذا کان معہ صبی و مرأۃ

۴؎ بخاری، باب التصفیق للنساء۔ ابوداؤد، باب التصفیق فی الصلوٰۃ۔

اندیشہ ہوا تو آپ نے مسجد میں عورتوں کے لیے ایک دروازہ مختص فرما دیا اور مردوں کو اس دروازہ سے آنے جانے کی ممانعت کر دی۔[1]

حج میں عورتوں کا طریقہ اسلام کا دوسرا اجتماعی فریضہ حج ہے۔ یہ مردوں کی طرح عورتوں پر بھی فرض ہے مگر حتی الامکان عورتوں کو طواف کے موقع پر مردوں کے ساتھ خلط ملط ہونے سے روکا گیا ہے۔ بخاری میں عطاء سے روایت ہے کہ عہد نبوی میں عورتیں مردوں کے ساتھ طواف کرتی تھیں مگر خلط ملط نہ ہوتی تھیں۔[2] فتح الباری میں ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے طواف میں عورتوں اور مردوں کو گڈمڈ ہونے سے روک دیا تھا۔ ایک مرتبہ ایک مرد کو آپ نے عورتوں کے مجمع میں دیکھا تو پکڑ کر کوڑے لگائے۔[3] موطا میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اپنے بال بچوں کو مزدلفہ سے منیٰ آگے روانہ کر دیا کرتے تھے تاکہ لوگوں کے آنے سے پہلے صبح کی نماز اور رمی سے فارغ ہو جائیں۔ نیز حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ صبح اندھیرے منہ منیٰ تشریف لے جاتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عورتوں کے لیے یہی دستور تھا۔[4]

جمعہ و عیدین میں عورتوں کی شرکت جمعہ اور عیدین کے اجتماعات اسلام میں جیسی اہمیت رکھتے ہیں، محتاج بیان نہیں۔ انکی اہمیت کو مدنظر رکھکر شارع نے خاص طور پر ان اجتماعات کے لیے وہ شرط اڑا دی جو عام نمازوں کے لیے تھی، یعنی یہ کہ دن میں شریک جماعت نہ ہوں۔ اگرچہ جمعہ کے متعلق یہ تصریح ہے کہ عورتیں فرضیت جمعہ سے مستثنیٰ ہیں (ابو داؤد، باب الجمعۃ للمملوک)، اور عیدین میں بھی عورتوں کی شرکت ضروری نہیں، لیکن اگر وہ چاہیں تو نماز باجماعت کی دوسری شرائط کی پابندی کرتے ہوئے ان جماعتوں میں شریک ہو سکتی ہیں۔ حدیث

---

[1] ابو داؤد۔ باب فی اعتزال النساء فی المساجد عن الرجال۔

[2] باب طواف النساء مع الرجال۔

[3] جلد سوم صفحہ ۳۱۲۔

[4] موطا، ابواب الحج، باب تقدیم النساء والصبیان۔

سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی خواتین کو عیدین میں لیجاتے تھے۔

عن ام عطیہ قالت ان رسول اللہ صلعم کان یخرج الابکار والعواتق وذوات الخدور والحیض فی العیدین فاما الحیض فیعتزلن المصلی ویشھدن دعوۃ المسلمین۔ (ترمذی، باب خروج النساء فی العیدین)

ام عطیہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنواری اور جوان لڑکیوں اور گھر گرہستنوں اور ایام والی عورتوں کو عیدین میں لے جاتے تھے۔ جو عورتیں نماز کے قابل نہ ہوتیں وہ جماعت سے الگ رہتیں اور دعا میں شریک ہوجاتی تھیں۔

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج بناتہ ونساءہ فی العیدین۔ (ابن ماجہ باب ماجاء فی خروج النساء فی العیدین)

ابن عباس کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹیوں اور بیویوں کو عیدین میں لے جاتے تھے۔

زیارت قبور و شرکت جنازات مسلمان کے جنازے میں شریک ہونا شریعت میں فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے اور اس کے متعلق جو تاکیدی احکام ہیں، واقف کاروں سے پوشیدہ نہیں۔ مگر یہ سب مردوں کے لیے ہیں۔ عورتوں کو شرکت جنازات سے منع کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس ممانعت میں سختی نہیں ہے، اور کبھی کبھی اجازت بھی دی گئی ہے، لیکن شارع کے ارشادات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا جنازوں میں جانا کراہت سے خالی نہیں۔ بخاری میں ام عطیہ کی حدیث ہے کہ نُہِینَا عن اتباع الجنائز ولم یعزم علینا "ہم کو جنازوں کی مشایعت سے منع کیا گیا تھا مگر سختی کے ساتھ نہیں" (باب اتباع النساء الجنازۃ)۔ ابن ماجہ اور نسائی میں حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ میں شریک تھے۔ ایک عورت نظر آئی۔ حضرت عمر نے اس کو ڈانٹا۔ حضور نے فرمایا۔ یا عمر دعھا "اے عمر اسے چھوڑ دے"۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت میت کی کوئی عزیز قریب ہوگی۔ شدتِ غم سے مجبور ہو کر ساتھ چلی آئی ہوگی۔ حضور نے اسکے جذبات کی رعایت کر کے حضرت عمر کو ڈانٹ ڈپٹ سے منع فرمادیا۔

ایسی ہی صورت زیارت قبور کی بھی ہے۔ عورتیں رقیق القلب ہوتی ہیں۔ اپنے مردہ عزیزوں کی یاد اُن کے دلوں میں زیادہ گہری ہوتی ہے۔ ان کے جذبات کو بالکل پامال کر دینا شارع نے پسند نہ فرمایا۔ مگر یہ صاف کہدیا کہ کثرت سے قبروں پر جانا ممنوع ہے۔ ترمذی میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے کہ لعن رسول اللہ صلعم زوارات القبور۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت قبروں پر جانے والیوں کو ملعون ٹھیرایا تھا (باب ماجاء فی کراھیۃ زیارۃ القبور للنساء)[۱]۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی قبر پر تشریف لے گئیں تو فرمایا واللہ لو شھدتک ما زرتک۔ "بخدا اگر میں تمہاری وفات کے وقت موجود ہوتی تو اب تمہاری قبر کی زیارت کو نہ آتی"[۲]۔ انس بن مالک کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو ایک قبر کے پاس بیٹھے روتے دیکھا تو اسے منع نہ فرمایا بلکہ صرف اتقی اللہ واصبری فرمادیا[۳]۔

ان احکام پر غور کیجیے۔ نماز ایک مقدس عبادت ہے۔ مسجد ایک پاک مقام ہے۔ حج میں انسان انتہائی پاکیزہ خیالات کے ساتھ خدا کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔ جنازوں اور قبروں کی حاضری میں ہر شخص کے سامنے موت کا تصور ہوتا ہے، غم والم کے بادل چھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ سب مواقع ایسے ہیں جن میں صنفی جذبات یا تو بالکل مفقود ہوتے ہیں یا رہتے بھی ہیں تو دوسرے پاکیزہ تر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ مگر اسکے باوجود شارع نے ایسے اجتماعات میں بھی مردوں اور عورتوں کی سوسائیٹی کا مخلوط ہونا پسند نہ کیا۔ مواقع کی پاکیزگی، مقاصد کی طہارت اور عورتوں کے جذبات کی رعایت ملحوظ رکھکر انہیں گھر سے نکلنے کی اجازت تو دے دی۔ بعض مواقع پر خود بھی ساتھ لے گئے۔ لیکن حجاب کی اتنی قیود

۱۔ ابن ماجہ میں یہی مضمون حضرت ابن عباس اور حسان بن ثابت سے بھی منقول ہے۔

۲۔ ترمذی، باب ماجاء فی زیارۃ القبور للنساء۔

۳۔ بخاری، باب زیارۃ القبور۔

لگادیں کہ فتنے کے ادنیٰ احتمالات بھی باقی نہ رہیں۔ پھر حج کے سوا تمام دوسرے امور کے متعلق فرمادیا کہ ان میں عورتوں کا شریک ہونا زیادہ بہتر ہے۔ جس قانون کا یہ رجحان ہو اُس سے آپ یہ توقع کیسے کرسکتے ہیں کہ وہ مدرسوں اور کالجوں میں، دفتروں اور کارگاہوں میں، پارکوں اور تفریح گاہوں میں، تھیٹروں اور سینماؤں میں، قہوہ خانوں اور رقص گاہوں میں اختلاطِ صنفین کو جائز رکھے گا؟

جنگ میں عورتوں کی شرکت حدود حجاب کی سختی آپ نے دیکھ لی۔ اب دیکھیے کہ ان میں نرمی کہاں اور کس ضرورت سے کی گئی ہے۔

مسلمان جنگ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ عام مصیبت کا وقت ہے۔ حالات مطالبہ کررہے ہیں کہ قوم کی پوری اجتماعی قوت، دفاع میں صرف کردی جائے۔ ایسی حالت میں اسلام قوم کی خواتین کو عام اجازت دیتا ہے کہ وہ جنگی خدمات میں حصہ لیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر ہے کہ جو ماں بننے کے لیے بنائی گئی ہے وہ سر کاٹنے اور خون بہانے کے لیے نہیں بنائی گئی۔ اس کے ہاتھ میں تیر و خنجر دینا اسکی فطرت کو مسخ کرنا ہے۔ اس لیے وہ عورتوں کو جان اور آبرو کی حفاظت کے لیے تو ہتھیار اٹھانے کی اجازت دیتا ہے۔ مگر بالعموم عورتوں سے مصافی خدمات لینا اور انھیں فوجوں میں بھرتی کرنا اسکی پالیسی سے خارج ہے۔ وہ جنگ میں ان سے صرف یہ خدمت لیتا ہے کہ زخمیوں کی مرہم پٹی کریں، پیاسوں کو پانی پلائیں، سپاہیوں کے لیے کھانا پکائیں، اور مجاہدین کے پیچھے کیمپ کی حفاظت کریں۔ ان کاموں کے لیے پردے کی حدود انتہائی حد تک کم کردی گئی ہیں، بلکہ ان خدمات کے لیے تھوڑی ترمیم کے ساتھ وہی لباس پہننا شرعاً جائز ہے جو آج کل عیسائی ننیں پہنتی ہیں۔

تمام احادیث سے ثابت ہے کہ جنگ میں ازواج مطہرات اور خواتین اسلام آنحضرتؐ کے ساتھ جاتیں اور مجاہدین کو پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کی خدمات انجام دیتی تھیں۔ یہ طریقہ احکام حجاب نازل ہونے کے بعد بھی جاری رہا[1]۔ ترمذی میں ہے کہ ام سلیم اور انصار کی چند دوسری

[1] بخاری۔ باب حمل الرجل المرأۃ فی الغزو۔

خواتین اکثر لڑائیوں میں حضور کے ساتھ گئی ہیں۔[1] بخاری میں ہے کہ ایک عورت نے حضور سے عرض کیا میرے لیے دعا فرمائیے کہ میں بھی بحری جنگ میں جانے والوں کے ساتھ رہوں۔ آپ نے فرمایا اللّٰھُمَّ اجعلھا منھم۔[2] جنگ احد کے موقع پر جب مجاہدین اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے تھے حضرت عائشہ اور ام سلیم اپنی پیٹھ پر پانی کے مشکیزے لاد لاد کر لاتی تھیں اور لڑنے والوں کو پانی پلاتی تھیں۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ اس حال میں میں نے انکو پائنچے اٹھائے دوڑ دوڑ کر آتے جاتے دیکھا۔ انکی پنڈلیوں کا نچلا حصہ کھلا ہوا تھا۔[3] ایک دوسری خاتون ام سُلیط کے متعلق حضرت عمر نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "جنگ احد میں دائیں اور بائیں جدھر میں دیکھتا تھا ام سلیط میری حفاظت کے لیے جان لڑاتی ہوئی نظر آتی تھی"۔ اسی جنگ میں ربیع بنت مُعَوَّذ اور انکے ساتھ خواتین کی ایک جماعت زخمیوں کی مرہم پٹی میں مشغول تھی اور یہی عورتیں مجروحین کو اٹھا اٹھا کر مدینہ لے جا رہی تھیں۔[4] جنگ حنین میں ام سلیم ایک خنجر ہاتھ میں لیے پھر رہی تھیں۔ حضور نے پوچھا یہ کس لیے ہے؟ کہنے لگیں کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آیا تو اس کا پیٹ پھاڑ دونگی۔[5] ام عُطَیَّہ سات لڑائیوں میں شریک ہوئیں۔ کیمپ کی حفاظت، سپاہیوں کے لیے کھانا پکانا، زخمیوں اور بیماروں کی تیمارداری کرنا ان کے سپرد تھا۔[6] حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ جو خواتین اس قسم کی جنگی خدمات انجام دیتی تھیں ان کو اموال غنیمت میں سے انعام دیا جاتا تھا۔[7]

[1] ترمذی، باب ما جاء فی خروج النساء فی الغزو [2] بخاری، باب غزو المرأة فی البحر

[3] بخاری، باب غزو النساء وقتالهن مع الرجال، مسلم، باب النساء الغازیات یرضخ لهن۔

[4] بخاری، باب مداواة النساء الجرحیٰ فی الغزو [5] مسلم، باب غزوة النساء مع الرجال۔

[6] ابن ماجہ، باب العبید والنساء یشهدون مع المسلمین۔

[7] مسلم، باب النساء الغازیات یرضخ لهن۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی پردہ کی نوعیت کسی جاہلی رسم کی سی نہیں ہے جس میں مصالح اور ضروریات کے لحاظ سے کمی و بیشی نہ ہو سکتی ہو۔ جہاں حقیقی ضروریات پیش آجائیں وہاں اس کے حدود کم بھی ہو سکتے ہیں، نہ صرف چہرہ اور ہاتھ کھولے جا سکتے ہیں، بلکہ جن اعضاء کو ستر عورت میں داخل کیا گیا ہے ان کے بھی بعض حصے اگر حسب ضرورت کھل جائیں تو مضائقہ نہیں۔ لیکن جب ضرورت رفع ہو جائے تو حجاب کو پھر انہی حدود پر قائم ہونا چاہیے جو عام حالات کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ جس طرح یہ پردہ جاہلی پردہ نہیں ہے، اسی طرح اس کی تخفیف بھی جاہلی آزادی کے مانند نہیں۔ مسلمان عورت کا حال یورپین عورت کی طرح نہیں ہے کہ جب وہ ضروریات جنگ کے لیے اپنی حدود سے باہر نکلی تو اس نے جنگ ختم ہونے کے بعد اپنی حدود میں واپس جانے سے انکار کر دیا۔

خاتمہ

یہ ہے وہ نقطۂ عدل اور مقام توسط جسکی دنیا اپنی ترقی اور خوشحالی اور اخلاقی امن کے لیے محتاج اور سخت محتاج ہے۔ جیسا کہ ابتدا میں بیان کر چکا ہوں، تمدن میں عورت، یعنی عالم انسانی کے پورے نصف حصہ کی جگہ معین کرنے میں دنیا ہزاروں سال سے ٹھوکریں کھاتی رہی ہے۔ کبھی افراط کی طرف جاتی ہے اور کبھی تفریط کی طرف۔ اور یہ دونوں انتہائیں اسکے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی ہیں۔ تجربات اور مشاہدات اس نقصان پر شاہد ہیں۔ ان انتہاؤں کے درمیان عدل و توسط کا مقام، جو عقل اور فطرت کے عین مطابق اور انسانی ضروریات کے لیے عین مناسب ہے، وہی ہے جو اسلام نے تجویز کیا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں متعدد ایسے موانع پیدا ہو گئے ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کے لیے اس صراطِ مستقیم کو سمجھنا اور اسکی قدر کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

ان موانع میں سب سے اہم مانع یہ ہے کہ زمانۂ جدید کا انسان عموماً "یرقان" میں مبتلا ہو گیا ہے اور مشرق کے فرنگیت زدہ لوگوں پر اس یرقان کی ایک اور زیادہ خطرناک قسم کا حملہ ہوا ہے جسے میں "یرقان ابیض" کہتا ہوں۔ میں اپنی اس صاف گوئی پر اپنے دوستوں اور بھائیوں سے معافی کا خواستگار ہوں، مگر جو حقیقت ہے اس کے اظہار میں کوئی مروّت مانع نہ ہونی چاہیے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ اسلام کا کوئی حکم اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو ثابت شدہ علمی حقائق کے خلاف ہو۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ جو کچھ علمی حقیقت ہے وہی عین اسلام ہے۔ مگر اس کو دیکھنے کے لیے بے رنگ نگاہ کی ضرورت ہے تاکہ ہر چیز کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھ سکے۔ وسیع نظر کی ضرورت ہے تاکہ ہر چیز کے تمام پہلوؤں کو دیکھ سکے۔ کھلے دل اور سلیم فطرت

کی ضرورت ہے تاکہ حقائق جیسے کچھ بھی ہوں ان کو ویسا ہی تسلیم کرے اور اپنے رجحانات کے تابع بنانے کے بجائے رجحاناتِ نفس کو ان کے تابع کردے۔ جہاں یہ چیز نہ ہو وہاں اگر علم بھی ہو تو بیکار ہے۔ رنگین نگاہ جو کچھ دیکھے گی اسی رنگ میں دیکھے گی جو اس پر چڑھا ہوا ہے۔ محدود نظر مسائل اور معاملات کے صرف اپنی گوشوں تک جا سکے گی جو اس زاویہ کے سامنے واقع ہوں جس سے وہ انہیں دیکھ رہی ہے۔ پھر ان سب کے باوجود جو کچھ علمی حقائق اپنی اصلی حالت میں اندر تک پہنچ جائیں گے اُن پر بھی دل کی تنگی اور فطرت کی کجی اپنا عمل کریگی۔ وہ حقائق سے مطالبہ کرے گی کہ اُس کے داعیاتِ نفس اور اُس کے جذبات ورجحانات کے موافق ڈھل جائیں، اور اگر وہ نہ ڈھلیں گے تو وہ اُن کو حقائق جاننے کے باوجود نظرانداز کردیگی اور اپنی خواہش کا اتباع کرے گی۔ ظاہر ہے کہ اس مرض میں جب انسان گرفتار ہو تو علم، تجربہ، مشاہدہ کوئی چیز بھی اس کی رہنمائی نہیں کرسکتی، اور ایسے مریض کے لیے قطعی ناممکن ہے کہ وہ اسلام کے کسی حکم کو ٹھیک ٹھیک سمجھ سکے، کیونکہ اسلام دینِ فطرت بلکہ عینِ فطرت ہے۔ دنیائے مغرب کے لیے اسلام کو سمجھنا اسی لیے مشکل ہوگیا ہے کہ وہ اس بیماری میں مبتلا ہوگئی ہے۔ اُسکے پاس جتنا بھی "علم"[۱] ہے وہ سب کا سب "اسلام" ہے مگر خود اُسکی اپنی نگاہ رنگین ہے۔ پھر یہی رنگ "یرقان ابیض" بن کر مشرق کے نئے تعلیم یافتہ طبقہ کی نگاہوں پر چھا گیا ہے، اور یہ بیماری ان کو بھی حقائق علمیہ سے صحیح نتائج نکالنے اور مسائل حیات کو فطری نگاہ سے دیکھنے میں مانع ہوتی ہے۔ ان میں سے جو مسلمان ہیں وہ ہوسکتا ہے کہ دین اسلام پر ایمان رکھتے ہوں، اُس کی صداقت کے معترف بھی ہوں، اتباعِ دین کے جذبہ سے بھی خالی نہ ہوں، مگر وہ غریب اپنی آنکھوں کے یرقان کو کیا کریں کہ جو کچھ ان آنکھوں سے دیکھتے ہیں اس کا رنگ ہی انہیں صبغۃ اللہ کے خلاف نظر آتا ہے۔

دوسری وجہ جو فہم صحیح میں مانع ہوتی ہے، یہ ہے کہ عام طور پر لوگ جب اسلام کے کسی مسئلہ پر

[۱] "علم" یعنی حقیقت کا علم، نہ کہ نظریات اور حقائق سے اخذ کردہ نتائج۔

غور کرتے ہیں تو اُس نظام اور سسٹم پر بحیثیت مجموعی نگاہ نہیں ڈالتے جس سے وہ مسئلہ متعلق ہوتا ہے، بلکہ نظام سے الگ کرکے اُس خاص جزء کو من حیث ہو ہو لے لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جزء تمام حکمتوں سے خالی نظر آنے لگتا ہے، اور اس میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہونے لگتے ہیں۔ سود کے مسئلہ میں یہی ہوا کہ اس کو اسلام (یعنی فطرت) کے اصولِ معیشت اور نظام معاشی سے الگ کرکے دیکھا گیا۔ ہزاروں سقم اس میں نظر آنے لگے، یہاں تک کہ بڑے بڑے صاحب علم لوگوں کو بھی مقاصد شریعت کے خلاف اس میں ترمیم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ غلامی اور تعددِ ازواج اور حقوق الزوجین اور ایسے ہی بہت سے مسائل میں اسی بنیادی غلطی کا اعادہ کیا گیا ہے۔ اور پردہ کا مسئلہ بھی اسی کا شکار ہوا ہے۔ اگر آپ پوری عمارت کو دیکھنے کے بجائے صرف اس کے ایک ستون کو دیکھیں گے تو لامحالہ آپ کو حیرت ہوگی کہ یہ آخر کیوں لگایا گیا ہے۔ آپ کو اس کا قیام تمام حکمتوں سے خالی نظر آئے گا۔ آپ کبھی نہ سمجھ سکیں گے کہ انجنیر نے عمارت کو سنبھالنے کے لیے کس تناسب اور کس موزونیت کے ساتھ اس کو لگایا ہے اور اس کو گرادینے سے پوری عمارت کو کیا نقصان پہنچے گا۔ بالکل ایسی ہی مثال پردے کی ہے۔ جب وہ اُس نظام معاشرت سے الگ کردیا جائیگا جس میں وہ عمارت کے ستون کی طرح ایک ضرورت اور مناسبت کو ملحوظ رکھکر نصب کیا گیا ہے تو وہ تمام حکمتیں نگاہوں سے اوجھل ہوجائینگی جو اس سے وابستہ ہیں، اور یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہ آسکے گی کہ نوعِ انسانی کی دونوں صنفوں کے درمیان یہ امتیازی حدود آخر کیوں قائم کیے گئے ہیں۔ پس ستون کی حکمتوں کو ٹھیک سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس پوری عمارت کو دیکھ لیا جائے جس میں وہ نصب کیا گیا ہے۔

اب اسلام کا حقیقی پردہ آپ کے سامنے ہے۔ وہ نظام معاشرت بھی آپ کے سامنے ہے جس کی حفاظت کے لیے پردہ کے ضوابط مقرر کیے گئے ہیں۔ اس نظام کے وہ تمام ارکان بھی آپ کے سامنے ہیں جنکے ساتھ ایک خاص توازن کو ملحوظ رکھکر پردے کا رکن مربوط کیا گیا ہے۔ وہ تمام ثابت

شناعلمی حقائق بھی آپ کے سامنے ہیں جن پر اس پورے نظام معاشرت کی بنا رکھی گئی ہے۔ ان سب کو دیکھ لینے کے بعد فرمائیے کہ اس میں کہاں آپ کوئی کمزوری پاتے ہیں؟ کس جگہ بے اعتدالی کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر آتا ہے؟ کونسا مقام ایسا ہے جہاں ــــــ کسی خاص گروہ کے رجحان سے قطع نظر ــــــ محض علمی و عقلی بنیادوں پر کوئی اصلاح تجویز کی جاسکتی ہو؟ میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ زمین اور آسمان جس عدل پر قائم ہیں، کائنات کے نظم میں جس کمال درجہ کا تسویہ پایا جاتا ہے، ایک ذرہ کی ترکیب اور نظام شمسی کی بندش میں جیسا مکمل توازن و تناسب آپ دیکھتے ہیں، ویسا ہی عدل و تسویہ اور توازن و تناسب اس نظام معاشرت میں بھی موجود ہے۔ افراط اور تفریط اور یک رُخی جو انسانی کاموں کی ناگزیر کمزوری ہے، اُس سے یہ نظام یکسر خالی ہے۔ اس میں اصلاح تجویز کرنا انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ انسان اپنی عقل خام کی مداخلت سے اگر اس میں کوئی ادنیٰ ردوبدل بھی کریگا تو اس کی اصلاح نہ کریگا بلکہ اس کے توازن کو بگاڑ دیگا۔

افسوس! میرے پاس ایسے ذرائع نہیں ہیں کہ اپنے اُن انسانی بھائیوں تک اپنی آواز پہنچا سکوں جو یورپ، امریکہ اور جاپان میں رہتے ہیں۔ وہ ایک صحیح اور معتدل نظام تمدن نہ پانے ہی کی وجہ سے اپنی زندگی کو تباہ کر رہے ہیں اور دنیا کی دوسری قوموں کی تباہی کے بھی موجب بن رہے ہیں۔ کاش میں ان تک وہ آبِ حیات پہنچا سکتا جس کے وہ درحقیقت پیاسے ہیں اگرچہ پیاس محسوس نہ کرتے ہوں! تاہم میرے اپنے وطن کے ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی میری دسترس سے قریب ہیں۔ ان میں سے اکثر میری زبان بھی سمجھتے ہیں۔ میں انہیں دعوت دیتا ہوں کہ مسلمانوں کے ساتھ تاریخی اور سیاسی جھگڑوں کی بدولت جو تعصب ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف پیدا ہو گیا ہے اس سے اپنے دلوں کو صاف کر کے محض طالبِ حق ہونے کی حیثیت سے اسلام کے اس نظام معاشرت کو دیکھیں جسے میں نے بے کم و کاست اس کتاب میں بیان کر دیا ہے، پھر اس مغربی نظام معاشرت سے اس کا موازنہ کریں جس کی طرف وہ بے تحاشا دوڑے چلے جا رہے ہیں

ہیں، اور آخر میں میری یا کسی اور کی خاطر نہیں بلکہ خود اپنی بھلائی کی خاطر فیصلہ کریں کہ ان کی حقیقی فلاح کس طریقہ میں ہے۔

اس کے بعد میں عام ناظرین کی طرف سے رخ پھیر کر چند الفاظ اپنے اُن گمراہ بھائیوں سے عرض کرونگا جو مسلمان کہلاتے ہیں۔

ہمارے بعض نئے تعلیم یافتہ مسلمان بھائی ان تمام باتوں کو تسلیم کرتے ہیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں، مگر وہ کہتے ہیں کہ اسلام کے قوانین میں حالات زمانہ کے لحاظ سے شدت اور تخفیف کی تو کافی گنجائش ہے جس سے تم خود بھی شائد انکار نہیں کر سکتے۔ پس ہماری خواہش صرف اس قدر ہے کہ اسی گنجائش سے فائدہ اٹھایا جائے۔ موجودہ زمانے کے حالات پردہ میں تخفیف کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ مسلمان عورتیں مدرسوں اور کالجوں میں جائیں۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ ایسی تربیت حاصل کریں جس سے وہ ملک کے تمدنی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کے قابل ہو سکیں۔ اس کے بغیر مسلمان زندگی کی دوڑ میں ہمسایہ قوموں سے پیچھے رہے جاتے ہیں، اور آگے چل کر اندیشہ ہے کہ اور زیادہ نقصان اٹھائینگے۔ ملک کی سیاسی زندگی میں عورتوں کو جو حقوق دیے جا رہے ہیں، اگر ان سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت مسلمان عورتوں میں پیدا نہ ہوئی، اور پردے کی قیود کے سبب سے وہ فائدہ نہ اٹھا سکیں، تو ملک کے سیاسی ترازو میں مسلمانوں کا وزن بہت کم ہو جائے گا۔ دیکھو، دنیائے اسلام کی ترقی یافتہ اقوام مثلاً ٹرکی اور ایران نے بھی زمانے کے حالات کو دیکھ کر اسلامی حجاب میں بہت کچھ تخفیف[1] کر دی ہے، اور اس سے چند ہی سال کے اندر نمایاں فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ اگر ہم بھی انہیں کے نقشِ قدم پر چلیں تو آخر اس میں کیا قباحت ہے؟

یہ جتنے خطرات بیان کیے جاتے ہیں، ہم ان سب کو جوں کا توں تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ اگر خطرات

[1] تخفیف! یہ لفظ محض بحث کی خاطر استعمال کیا جاتا ہے۔ ورنہ دراصل وہاں تخفیف نہیں تنسیخ کی گئی ہے۔

کی فہرست میں اس سے دس گنا اور اضافہ ہوجائے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ بہرحال اس نوعیت کے کسی خطرے کی بنا پر بھی اسلام کے قانون میں ترمیم یا تخفیف جائز نہیں ہوسکتی۔ دراصل ایسے تمام خطرات کی نوعیت یہ ہے کہ مثلاً آپ قصداً اپنی حماقت سے یا مجبوراً اپنی کمزوری کی وجہ سے ایک کثیف اور مضرِ صحت ماحول میں رہتے ہوں اور وہاں حفظانِ صحت کے اصولوں پر عمل کرنا آپ کے لیے نہ صرف مشکل ہو رہا ہو، بلکہ گندے لوگوں کی بستی میں آپ کے لیے گندگی اختیار کیے بغیر جینا تک دشوار ہو۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ حفظانِ صحت کے اصولوں کی ترمیم یا تخفیف کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوسکتا۔ اگر آپ ان اصولوں کو صحیح سمجھتے ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ اپنے ماحول سے لڑ کر اسے پاک بنائیں۔ اگر لڑنے کی جرأت و ہمت نہیں اور اپنی کمزوری کی وجہ سے آپ اپنے ماحول سے مغلوب ہیں تو جائیے اور جو جو کثافتیں بھی آپ پر مسلط ہوں ان میں آلودہ ہوجائیے۔ آخر آپ کے لیے قوانینِ صحت میں ترمیم یا تخفیف کیوں کی جائے؟ اور اگر آپ واقعی ان قوانین کو غلط سمجھتے ہیں اور اس گندگی سے آپ کی اپنی طبیعت بھی مانوس ہے تو آپ اپنے لیے خود جو چاہیے قانون بنا لیجیے۔ پاکی اور طہارت کے قانون میں ان لوگوں کی خواہشات کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے جو گندگی کی طرف میلان رکھتے ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ ہر قانون کی طرح اسلامی قانون میں بھی حالات کے لحاظ سے شدّت اور تخفیف کی گنجائش ہے، مگر ہر قانون کی طرح اسلامی قانون بھی اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ شدّت یا تخفیف کا فیصلہ کرنے کے لیے حالات کو اسی نظر سے اور اسی اسپرٹ میں دیکھا جائے جو اسلام کی نظر اور اسلام کی اسپرٹ ہے۔ کسی مختلف نقطۂ نگاہ سے حالات کو دیکھنا اور پھر تخفیف کی قینچی لیکر دفعتاً قانون پر حملہ آور ہوجانا تخفیف کی تعریف میں نہیں آتا بلکہ یہ سادہ اور صریح تحریف ہے۔ جن حالات کو غیر اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھ کر قانون اسلامی میں "تخفیف" کرنے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے، ان کو اگر اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ فیصلہ کرنا پڑیگا کہ ایسے حالات میں تخفیف کی نہیں بلکہ مزید شدّت کی ضرورت

ہے۔ تخفیف صرف اس وقت کی جا سکتی ہے جبکہ قانون کے مقاصد دوسرے ذرائع سے بآسانی پورے ہو جاتے ہوں اور تحفظات میں زیادہ سختی کی حاجت نہ ہو۔ مگر جب کہ قانون کے مقاصد دوسرے ذرائع سے پورے نہ ہو رہے ہوں، بلکہ دوسری تمام قوتیں ان کو ضائع کرنے میں لگی ہوئی ہوں، اور ان مقاصد کے حصول کا تمام تر مدار صرف تحفظات ہی پر آ ٹھیرا ہو تو ایسی حالت میں صرف وہی شخص تخفیف کا خیال کر سکتا ہے جو قانون کی اسپرٹ سے قطعی نابلد ہو۔

پچھلے اوراق میں ہم تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ اسلامی قانون معاشرت کا مقصد ضابطۂ ازدواج کی حفاظت، صنفی انتشار کی روک تھام اور غیر معتدل شہوانی تحریکات کا انسداد ہے۔ اس غرض کے لیے شارع نے تین تدبیریں اختیار کی ہیں۔ ایک اصلاح اخلاق۔ دوسرے تعزیری قوانین۔ تیسرے انسدادی تدابیر یعنی ستر و حجاب۔ یہ گویا تین ستون ہیں جن پر یہ عمارت کھڑی کی گئی ہے، جن کے استحکام پر اس عمارت کا استحکام منحصر ہے اور جن کا انہدام دراصل اس پوری عمارت کا انہدام ہے۔ آئیے اب اپنے ملک کے موجودہ حالات پر ایک نظر ڈال کر دیکھیے کہ ان تینوں ستونوں کا آپ کے ہاں کیا حال ہے؟

پہلے اپنے اخلاقی ماحول کو لیجیے۔ آپ اُس ملک میں رہتے ہیں جس کی پچھتر فی صدی آبادی آپ ہی کی اگلی پچھلی کوتاہیوں کی وجہ سے اب تک غیر مسلم ہے، جس پر ایک غیر مسلم قوم حکمراں ہے، جس پر ایک غیر مسلم تہذیب آندھی اور طوفان کی طرح چھائی چلی جا رہی ہے۔ پلیگ اور ہیضہ کے جراثیم کی طرح غیر اسلامی اخلاق کے اصول اور غیر اسلامی تہذیب کے تخیلات تمام فضا میں پھیل گئے ہیں۔ آپ کی ہوا ان سے مسموم ہو چکی ہے۔ اُن کی سمیت نے ہر طرف سے آپ کا احاطہ کر لیا ہے۔ فحش اور بے حیائی کی جن باتوں کے خیال سے ہی چند سال پہلے تک آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے وہ اب اس قدر معتاد ہو چکی ہیں کہ آپ انہیں روزمرہ کے معمولات سمجھ رہے ہیں۔ آپ کے بچے تک اخباروں اور رسالوں اور اشتہاروں میں فحش تصویریں روز دیکھتے ہیں اور بے حیائی کے عادی ہوتے جاتے ہیں۔ آپ کے بوڑھے اور جوان اور بچے سب کے سب سینما دیکھ رہے ہیں

جہاں عریانی اور بے حیائی اور شہوانی محبت سے زیادہ دلچسپ چیز اور کوئی نہیں - باپ اور بیٹے، بھائی اور بھائی، مائیں اور بیٹیاں، سب ایک دوسرے کے پہلو میں بیٹھ کر علانیہ بوس وکنار اور اختلاط و ملاعبت کے مناظر دیکھتے ہیں اور کوئی شرم محسوس نہیں کرتے - انتہا درجہ کے گندے اور ہیجان انگیز گیت گھر گھر اور دوکان دوکان بج رہے ہیں اور کسی کے کان ان آوازوں سے محفوظ نہیں - ہندی اور فرنگی اعلیٰ سوسائیٹی کی خواتین نیم عریاں لباسوں کے ساتھ پھر رہی ہیں اور ننگا ہیں اُن لباسوں کی اسقدر خوگر ہو چکی ہیں کہ کوئی شخص ان میں کسی قسم کی بے حیائی محسوس نہیں کرتا - اخلاق کے جو تصورات مغربی تعلیم و تہذیب کے ساتھ پھیل رہے ہیں اُن کی بدولت نکاح کو ایک فرسودہ رسم، زنا کو ایک تفریح، مردوں اور عورتوں کے اختلاط کو ایک ناقابلِ اعتراض بلکہ مستحسن چیز، طلاق کو ایک کھیل، ازدواجی فرائض کو ایک ناقابلِ برداشت بندش، توالد و تناسل کو ایک حماقت، شوہر کی اطاعت کو ایک نوع کی غلامی، بیوی بننے کو ایک مصیبت اور معشوق بننے کو ایک خیالی جنت سمجھا جا رہا ہے -

پھر دیکھیے کہ اس ماحول کے اثرات آپ کی قوم پر کیا پڑ رہے ہیں - کیا آپکی سوسائیٹی میں اب غضِ بصر کا کہیں وجود ہے؟ کیا لاکھوں میں ایک آدمی بھی کہیں ایسا پایا جاتا ہے جو اجنبی عورتوں کے حسن سے آنکھیں سینکنے میں باک کرتا ہو؟ کیا علانیہ آنکھ اور زبان کی زنا نہیں کی جا رہی ہے؟ کیا آپ کی عورتیں بھی تبرّج جاہلیہ اور اظہار زینت اور نمائش حسن سے پرہیز کر رہی ہیں؟ کیا آج آپ کے گھروں میں ٹھیک وہی لباس نہیں پہنے جا رہے ہیں جن کے متعلق آنحضرت نے فرمایا تھا کہ نساءٌ کاسیات عاریات ممیلات مائلات؟ کیا آپ اپنی بہنوں اور بیٹیوں اور ماؤں کو وہ لباس پہنے نہیں دیکھ رہے ہیں جن کو مسلمان عورت اپنے شوہر کے سوا کسی کے سامنے نہیں پہن سکتی؟ کیا آپ کی سوسائیٹی میں فحش قصے اور عشق و محبت کے گندے واقعات بے تکلفی کے ساتھ کہے اور سنے نہیں جاتے؟ کیا آپ کی محفلوں میں لوگ خود اپنی بدکاری کے حالات بیان کرنے میں بھی کوئی شرم محسوس کرتے ہیں؟ جب

حال یہ ہے تو فرمائیے کہ طہارت اخلاق کا وہ پہلا اور سب سے زیادہ مستحکم ستون کہاں باقی رہا جس پر اسلامی معاشرت کا ایوان تعمیر کیا گیا تھا؟ اسلامی غیرت تو اب اس حد تک مٹ چکی ہے کہ مسلمان عورتیں صرف مسلمانوں ہی کے نہیں، کفار تک کے ناجائز تصرف میں آ رہی ہیں۔ انگریزی حکومت میں نہیں مسلمان ریاستوں تک میں اس قسم کے واقعات علی رؤس الاشہاد پیش آ رہے ہیں۔ مسلمان ان واقعات کو دیکھتے اور سنتے ہیں مگر ان کے خون متحرک نہیں ہوتے۔ ایسے بے غیرت مسلمان بھی دیکھے گئے ہیں جن کی اپنی بہنیں کسی غیر مسلم کے تصرف میں آئیں اور انہوں نے فخریہ اس کا اظہار کیا کہ ہم فلاں بڑے کافر کے برادر نسبتی[1] ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی بے حیائی اور اخلاقی انحطاط کا کوئی درجہ باقی رہ جاتا ہے؟

اب ذرا دوسرے ستون کا حال بھی دیکھیے۔ تمام ہندوستان سے اسلامی تعزیرات کا پورا قانون مٹ چکا ہے۔ زنا اور قذف کی حد نہ مسلمان ریاستوں میں جاری ہوتی ہے نہ برٹش انڈیا میں۔ صرف یہی نہیں بلکہ جو قانون اس وقت ملک میں نافذ ہے وہ سرے سے زنا کو جرم ہی نہیں سمجھتا۔ اگر کسی شریف بہو بیٹی کو کوئی شخص بہکا کر بدکار بنانا چاہے تو آپ کے پاس کوئی قانونی ذریعہ ایسا نہیں جس سے اس کی عصمت محفوظ رکھ سکیں۔ اگر کوئی شخص کسی بالغ عورت پر اس کی رضامندی سے ناجائز تصرف کرے تو آپ کسی قانون کے ذریعہ سے اس کو سزا نہیں دلوا سکتے۔ اگر کوئی عورت علانیہ فحش کاری پر اتر آئے تو آپ کے پاس کوئی قوت ایسی نہیں جس سے آپ اس کو روک سکیں۔ قانون صرف زنا بالجبر کو جرم ٹھیراتا ہے مگر جو لوگ قانون پیشہ ہیں ان سے پوچھیے کہ زنا بالجبر کا ثبوت دینا کس قدر مشکل ہے۔ منکوحہ عورت کا بھگا لے جانا بھی جرم ہے۔ مگر انگریزی قانون جاننے والوں سے دریافت کیجیے کہ اگر منکوحہ عورت

[1] یہ واقعہ جنوبی ہند کا ہے۔ میرے ایک دوست نے مجھے ایک اور اس سے بھی زیادہ افسوسناک واقعہ سنایا۔ مشرقی ہند میں ایک نام کی مسلمان عورت ایک بڑے دولت مند غیر مسلم کے ساتھ علانیہ تعلق رکھتی ہے اور اس کے نتیجہ میں اس نے بہت بڑی جائداد حاصل کی ہے۔ میرے دوست کا بیان ہے کہ انہوں نے بارہا مقامی مسلمانوں۔ نام نہاد مسلمانوں۔ کو اس بات پر خوشی کا اظہار کرتے دیکھا ہے کہ غیر مسلم کے پاس سے ہمارے مسلمانوں میں اتنی بڑی دولت آگئی!

خود اپنی رضامندی سے کسی کے گھر جا پڑے تو اس کے لیے آپ کے فرمانرواؤں کی عدالت میں کیا چارۂ کار ہے؟

غور کیجیے! یہ دونوں ستون منہدم ہو چکے ہیں۔ اب آپ کے نظم معاشرت کی پوری عمارت صرف ایک ستون پر قائم ہے۔ کیا آپ اسے بھی مسمار کر دینا چاہتے ہیں؟ ایک طرف پردے کے وہ نقصانات ہیں جن کو آپ نے اوپر گنایا ہے۔ دوسری طرف پردہ اٹھا دینے میں اخلاق اور نظام معاشرت کی کامل تباہی ہے۔ دونوں کے درمیان موازنہ کیجیے مصیبتیں دونوں ہیں اور ایک کو بہرحال قبول کرنا ہے۔ اب آپ خود ہی اپنے دل سے فتویٰ طلب کیجیے کہ ان میں سے کون سی کم تر مصیبت ہے؟

پس اگر احوال زمانہ ہی پر فیصلہ کا انحصار ہے تو میں کہتا ہوں کہ ہندوستان کے احوال پردے میں تخفیف کے نہیں اور زیادہ اہتمام کے مقتضی ہیں، کیونکہ آپ کے نظام معاشرت کی حفاظت کرنے والے دو ستون گر چکے ہیں اور اب تمام دار و مدار صرف ایک ہی ستون پر ہے۔ تمدن اور معیشت اور سیاست کے مسائل آپ کو حل کرنے ہیں تو سر جوڑ کر بیٹھیے، غور کیجیے، اسلامی حدود کے اندر اس کے حل کی دوسری صورتیں بھی نکل سکتی ہیں۔ مگر اس بچے کھچے ستون کو جو پہلے ہی کافی کمزور ہو چکا ہے، اور زیادہ کمزور نہ بنائیے۔ اس میں تخفیف کرنے سے پہلے آپ کو کم از کم اتنی قوت پیدا کرنی چاہیے کہ اگر کوئی مسلمان عورت بے نقاب ہو تو جہاں اس کو گھورنے کے لیے دو آنکھیں موجود ہوں وہیں اُن آنکھوں کو نکال لینے کے لیے پچاس ہاتھ بھی موجود ہوں۔

اعلان

ترجمان القرآن کے پُرانے پرچے

جو حضرات ترجمان القرآن کے مکمل فائل رکھنا چاہتے ہیں اُن کو چاہیے کہ پرانے پرچے دفتر سے خرید کر اپنے ناقص فائلوں کو مکمل کر لیں۔ کئی سالوں کے پرچے روز بروز نایاب ہوتے جا رہے ہیں۔ لہذا اگر آپ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ تو وہ پرچے جو آپ کے پاس نہیں ہیں جلد خرید کر لیجیے قیمت فی پرچہ ۸ ر رعایت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مینجر ترجمان القرآن۔ لاہور

رسالۂ دینیات

(تالیف سید ابوالاعلی مودوی، صدر شعبہ دینیات، اسلامیہ کالج، لاہور)

اسلام کیا ھے، کیا چاھتا ھے اور کیوں چاھتا ھے، عقائد کا انسان کی زندگی سے کیا تعلق ھے، وہ اگر تسلیم کئے جائیں تو انکا فائدہ کیا ھے اور نہ تسلیم کئے جائیں تو نقصان کیا ھے اسلام محض تحکّم کے طور پر ان عقائد کو منوا لینا چاھتا ھے یا آسکے پاس ان کی صحت و صداقت کیلئے کوئی دلیل بھی ھے، اگر آپ ان سوالات کا جواب چاھتے ھیں تو اس رسالۂ دینیات کا مطالعہ کیجئے۔ اس موضوع پر یہ بالکل پہلی اور انوکھی تصنیف ھے، اکثر اسلامیہ ھائی سکول اسے ھائی کلاسز میں بطور نصاب پڑھا رھے ھیں ☆

TOWARDS UNDERSTANDING ISLAM

By

Sayyid Abul-ala Maududi

Dean of Theology, Islamia College, Lahore

This small book is an attempt at a clear and concise interpretation of Islam. The chief aim in view has been to present within a brief space the most systematic and logical conception of Islam to build a coherent and organic structure of human life on the basis of this conception and to give a comprehensive and lucid account of what this religion in reality is.

Price Re. 1-8-0

تفہیمات

بعض معرکۃ الآرا مسائلِ اسلامی کی تشریح و توضیح

اس کتاب میں اسلام کے ان مہمات مسائل کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے جنکے متعلق اجکل عموماً لوگوں میں غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ مثلاً عقل کا فیصلہ ہدایت و ضلالت کا راز۔ اسلام میں عبادت کا تصور۔ جہاد فی سبیل اللہ۔ آزادی کا اسلامی تصور۔ اسلامی قومیت کا حقیقی مفہوم۔ رواداری۔ نزول عذاب الٰہی کا قانون۔ کیا نجات کیلئے صرف کلمہ توحید کافی ہے۔ کیا رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ حدیث اور قرآن۔ قرآن اور سنت۔ رسالت اور اس کے احکام۔ حدیث پر اعتراض اور اس کا جواب۔

قیمت بیجلد ایکروپیہ آٹھ آنے   قیمت مجلد دو روپے   علاوہ محصولڈاک

پردہ

انسانی تمدن کے سب سے مقدّم اور سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلے دو ہیں جنکے صحیح اور متوازن حل پر انسان کی فلاح و ترقی کا انحصار ہے اور جنکو حل کرنے میں قدیم ترین زمانہ سے لیکر آجتک دنیا کے حکماء و عقلاء پریشان و سرگرداں رہے ہیں، پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اجتماعی زندگی میں عورت و مرد کا تعلق کسطرح قائم کیا جائے کیونکہ یہی تعلق دراصل تمدن کا سنگ بنیاد ہے اس مسئلہ پر اب سے چند سال پہلے سید ابو الاعلیٰ مودودی نے ایک سلسلۂ مضامین لکھا تھا جو رسالۂ ترجمان القرآن کے کئی نمبروں میں شائع ہوا تھا، اس وقت بحث کے بعض گوشے قصداً نظر انداز کر دئے گئے تھے اور بعض کو تشنہ چھوڑ دینا پڑا تھا کیونکہ کتاب کے بجائے محض ایک مضمون ہی لکھنا مدّنظر تھا، اب ان اجزاء کو یکجا کرکے ضروری اضافوں اور تشریحات کے ساتھ یہ کتاب مرتب کیگئی ہے، جو لوگ اس مسئلے کو واقعی سمجھنا چاہتے ہیں وہ اس میں بڑی حد تک اطمینان بخش مواد اور دلائل پائینگے ☆

مختصر فہرست مضامین حسب ذیل ہے☆

قیمت بیجلد ایکروپیہ چار آنے   قیمت مجلد ایکروپیہ آٹھ آنے   علاوہ محصولڈاک